اظہار
IZHAAR

Vol:1 Edition:1 Aug-Jan 2009-10 Pages:8 Dept. of Mass Comm. & Journalism, MANUU

جلد:اول شمارہ:اول اگست۔جنوری 2009-10 صفحات: 8 شعبہ ترسیل عامہ وصحافت، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

90 فیصد اُردو قارئین، اخبار خرید کر پڑھتے ہیں

مانو کے شعبہ ماس کمیونی کیشن کے سروے میں حیرت انگیز انکشاف

اردو اخبارات کے خلاف عام رجحان کی نفی۔ تعلیم، روزگار اور سائنسی مواد کی اشاعت پر قارئین کا زور

حیدرآباد۔(اظہار بیورو) مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبہ ترسیل عامہ و صحافت کے طلبا کی جانب سے کئے گئے ایک سروے میں اردو اخبارات کے تعلق سے یہ بات غلط ثابت ہوگئی ہے کہ یہ اخبارات صرف چائے خانوں، ٹھیلہ بنڈیوں اور اصلاح خانوں (ہیرکٹنگ سیلون) میں پڑھے جاتے ہیں۔ دیگر الفاظ میں یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ اردو زبان اور اردو اخبارات کے تعلق سے جو عام رجحان پایا جاتا ہے وہ مانو کے طلبا کی جانب سے منعقد کئے گئے سروے میں غلط ثابت ہو چکا ہے۔ یونیورسٹی کے شعبہ جرنلزم اینڈ ماس کمیونی کیشن کے طلبا کی جانب سے ایک سوالنامہ ترتیب دے کر یہ سروے کیا گیا تھا۔ سوالنامہ میں مختلف نوعیت کے 19 سوالات کئے گئے تھے۔ سروے میں 500 افراد کی رائے لی گئی جن میں 90 فیصد سے زائد قارئین کا کہنا ہے کہ وہ اخبار خرید کر اپنے گھر میں پڑھتے ہیں۔ ہوٹلوں، چائے خانوں اور اصلاح خانوں میں اردو اخبارات پڑھنے والوں کا فیصد صرف 5.6 ہے جو اردو صحافت اور اخبارات کے تئیں متعصب رویہ اختیار کرنے والوں کے منہ پر طمانچہ ہے۔ اردو زبان کو رکشہ رانوں، ٹھیلہ بنڈی ڈھکیلنے والوں اور ایسے ہی کمتر درجہ کے کاموں کے ذریعہ روزی روٹی کمانے والوں کی زبان قرار دینے والوں کو اب یہ جان لینا چاہئے کہ وہ اردو زبان کے تعلق سے اب تک خام خیالی اور غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ یہ سروے شہر حیدرآباد میں کیا گیا جہاں سے ملک کے بڑے اردو اخبارات شائع ہوتے ہیں۔ یہیں سے ہندوستان کا کثیر الاشاعت اردو اخبار روزنامہ منصف، آزادی ہند کے موقع پر نکالا گیا اخبار روزنامہ سیاست، رہنمائے دکن اور روزنامہ اعتماد کے علاوہ راشٹریہ سہارا شائع ہوتے ہیں۔ ان اخبارات کا نہ صرف شہر بلکہ ریاست و ملک میں بھی اچھا خاصا اثر ورسوخ ہے۔ یہ اخبارات رائے عامہ پر بھی اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جدید مواصلاتی ٹکنالوجی اور پرنٹنگ ٹکنالوجی سے لیس یہ اخبارات روزافزوں ترقی کر رہے ہیں۔ حیدرآباد کے اہل اردو کے درمیان نہ صرف اردو بلکہ انگریزی اخبارات کا مطالعہ بھی ہوتا ہے۔ سروے کے دوران اس بات کا احساس ہوا کہ ایسے قارئین جو اردو اخبارات کے ساتھ ساتھ انگریزی اخبارات کا بھی مطالعہ کرتے ہیں وہ ان دونوں زبانوں کے اخبارات اور ان کے معیار کا بھی تقابل کرتے ہیں۔ سوالنامہ میں ایک سوال یہ بھی موجود تھا کہ آپ اردو اخبار کے علاوہ اور کس زبان کے اخبار کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں 32 فیصد قارئین نے کہا کہ وہ اردو کے ساتھ انگریزی اخبار کا بھی مطالعہ کرتے ہیں۔ 12.48 فیصد قارئین کا ماننا ہے کہ اردو اخبارات میں روزگار، تعلیم، غیر ملکی خبریں، سائنس و تحقیق اور ترقی و ترویج کی خبروں کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ اس سروے میں ایک اور دلچسپ اور حوصلہ افزاء حقیقت یہ سامنے آئی کہ صرف 3.36 فیصد قارئین ایسے ہیں جو مفت اخبار پڑھنا چاہتے ہیں۔ اردو کی بقاء اور ترقی کے لئے یہ لازمی ہے کہ اردو اخبارات، رسائل و جریدے نہ صرف خرید کر پڑھے جائیں بلکہ مانگ کر پڑھنے والوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے انہیں اردو اخبار خرید کر پڑھنے کی ترغیب دی جائے۔ اردو اخبارات کی قیمت کے تعلق سے بھی قارئین کا ملا جلا ردعمل سامنے آیا۔ 46.2 فیصد قارئین نے اخبار کی قیمت زیادہ سے زیادہ 2 روپے مقرر کرنے پر زور دیا جبکہ 22 فیصد قارئین چاہتے ہیں کہ انہیں اردو اخبار ایک روپے میں حاصل ہوجائے۔ 30.4 فیصد قارئین ایسے ہیں جنہیں اردو اور انگریزی اخبار میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اسی پس منظر میں ایسے قارئین کا بھی فیصد نکالا گیا جو اردو کے ساتھ کسی دیگر زبان کے اخبار کا بھی مطالعہ کرتے ہیں۔ 27.2 فیصد قارئین اردو کے ساتھ ساتھ دوسری زبان کے اخبارات کو بھی زیر مطالعہ رکھتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اردو قارئین، اردو اخبارات کے علاوہ دیگر زبانوں کے اخبارات بھی پڑھنے پر کیوں مجبور ہیں۔ اس سوال کا جواب ہمیں ان 12.48 فیصد قارئین کے جواب سے ملتا ہے جنہوں نے اردو اخبارات میں سائنس، روزگار، تعلیم اور تحقیق وغیرہ کی خبروں کے فقدان کی شکایت کی تھی۔ اردو اخبارات کے مدیروں کو اس جانب خصوصی توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔ سروے میں قارئین کی دلچسپی کی خبروں کے بارے میں بھی استفسار کیا گیا تھا۔ اردو اخبارات کے 28.32 فیصد قارئین اسلامی خبریں اور عالم اسلام کے بارے میں پڑھنا چاہتے ہیں۔ سیاسی خبروں کو ترجیحاً پڑھنے والوں کی تعداد 16.96 فیصد ہے جبکہ کھیل کود میں دلچسپی رکھنے والے قارئین کا فیصد 4.96 ہے۔ معیار سے متعلق پوچھے جانے پر 45.6 فیصد قارئین نے اگرچہ اردو اخبارات کے مواد پر اظہار اطمینان کیا ہے، تاہم قارئین کے ایک بڑے طبقہ نے معیار میں مزید بہتری لانے کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ اردو اخبارات کے قارئین میں وہ طبقہ بھی شامل ہے جو مزدوروں، آٹورکشا ڈرائیوروں اور دیگر چھوٹے موٹے کام کر کے زندگی بسر کرنے والوں پر مشتمل ہے۔ لوگ اخبار کو صرف خبروں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کے لئے اردو اخبارات اور دیگر زبانوں کے اخبارات میں فرق کرنا ممکن نہیں۔ ایسا طبقہ 30 فیصد افراد پر مشتمل ہے۔ قارئین نے تعلیم، کیریر اور بین الاقوامی خبروں کے فقدان کی بھی شکایت کی ہے۔ چونکہ اردو اخبارات کا نشانہ مسلمان ہوتے ہیں کیونکہ زیادہ تر مسلمانوں کی زبان اردو ہے، اس کے باوجود 7.6 فیصد قارئین کو شکایت ہے کہ یہ اخبارات اقلیتوں کے مسائل اور ان کی خبروں کو مناسب انداز میں شامل اشاعت نہیں کرتے۔ 10 فیصد قارئین کو اردو اخبارات کے طباعتی معیار (پرنٹ کوالٹی) کے بارے میں شکایت ہے۔ اردو اخبارات کے درمیان جاری رسہ کشی کے پس منظر میں ایک سوال پوچھا گیا کہ آیا آپ اپنے اخبار میں ایڈیٹر کی تصاویر دیکھنا پسند کرتے ہیں؟ اس کے جواب میں 57.12 فیصد قارئین نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ایڈیٹرس کی تصاویر شائع کرنے کے بجائے اسی جگہ پر معلوماتی مواد فراہم کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ 36.6 فیصد قارئین کو اخبارات میں مدیروں کی تصاویر گوارا ہیں۔ 71.68 فیصد قارئین، اردو اخبارات کے ایڈیٹرس کے درمیان جاری جنگ سے نالاں ہیں۔ قارئین کا خیال ہے کہ اخبارات کے مدیروں کے درمیان غیر صحتمندانہ مسابقت اور ذاتی رنجش صحافتی اقدار کے سراسر خلاف ہے۔ 21.44 فیصد قارئین کا مطالبہ ہے کہ اردو اخبارات میں ایڈیٹرس اور ان کی آپسی لڑائی جھگڑوں کے بارے میں خبروں کی اشاعت فوری بند کی جائے۔ وہ خبروں کے حصول کے لئے اخبار خریدتے ہیں نا کہ ایڈیٹرس کے جھگڑوں اور ان کے آپسی اختلافات کے بارے میں جاننے کے لئے۔ 5.6 فیصد قارئین نے انتباہ دیا ہے کہ اگر اردو اخبارات اسی طرح اختلافات کو خبروں میں جگہ دیتے رہیں گے تو وہ ان روزناموں کو خریدنا اور پڑھنا روک دیں گے۔ مضمون نگاروں اور کالم نگاروں کے تعلق سے پوچھے گئے سوال پر زیادہ تر قارئین نے امین جعفری کو اپنا پسندیدہ قلمکار قرار دیا ہے۔ چند منفی پہلوؤں سے قطع نظر اردو اخبارات، اردو زبان، صحافت اور ادب کی بقاء اور ترقی کے لئے انتھک محنت کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی کلچر کی بھی حفاظت کی جارہی ہے۔ اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے مسائل کی یکسوئی میں بھی یہ اخبارات سرگرم ہیں اگرچہ اس بارے میں قارئین کی رائے منقسم ہے۔

قارئین کی رائے بیک نظر ....

- سروے میں شہر کے مختلف علاقوں کے 500 قارئین کی رائے شامل
- ڈاکٹرس، انجینئرس سے لے کر خواتین، طلبا اور مزدوروں کی بیباک رائے
- زبان کی بقاء اور ترقی کیلئے اردو اخبار و رسائل خرید کر پڑھنے پر زور
- اردو اخبارات، مانگ کر پڑھنے والوں کی حوصلہ شکنی کی ضرورت
- اردو اخبار کی مناسب قیمت 2 روپے مقرر کرنے کا مطالبہ
- اردو کے علاوہ دیگر زبان کا اخبار پڑھنے والوں کی تعداد 27.2 فیصد
- قارئین کی اکثریت کو اخبار میں ایڈیٹر کی تصاویر پر اعتراض
- اردو قارئین چاہتے ہیں ایڈیٹرس کی آپسی رسہ کشی اور تصادم کا خاتمہ ہو

آئینہ

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں 63 ویں یوم آزادی کے موقع پر منعقدہ بین جامعاتی مقابلہ جات میں شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کے سال آخر کے طلبا نے نمایاں کامیابی حاصل کی جو یقیناً قابل مبارکباد ہے۔

اس شعبہ کو جملہ 10 انعامات حاصل ہوئے جن میں قابل ذکر اعجاز احمد، عبداللہ، ریاض الحق اور نقی حیدر شامل ہیں۔

- اردو تحریری مقابلہ میں اعجاز احمد نے اول انعام حاصل کیا جبکہ اسی مقابلہ میں عبداللہ صابر کو انعام دوم حاصل ہوا۔
- اردو تقریری مقابلہ میں عبداللہ صابر کو انعام اول حاصل ہوا۔
- ہندی تحریری و تقریری مقابلوں میں شعبہ کے ہونہار طالب علم حفظ الرحمٰن نے انعامات دوم حاصل کئے۔
- بیت بازی مقابلہ میں ریاض الحق، اعجاز احمد اور عبداللہ کے گروپ کو اول انعام حاصل ہوا۔
- اسی طرح مصوری کے مقابلہ میں نقی حیدر نے پہلا انعام حاصل کیا۔
- قومی گیت کے مقابلہ میں بھی نقی حیدر نے انعام سوم حاصل کیا۔
- پالی ٹیکنک کے طالب علم سعد احمد نے قومی گیت مقابلہ میں انعام اول حاصل کیا۔
- انیس احمد، طالب علم ایم بی اے کو قومی گیت مقابلہ میں انعام دوم حاصل ہوا۔

(تصاویر: صفحہ آخر پر)

اردو یونیورسٹی کو NAAC سے "A" گریڈ کا حصول باعث افتخار

اعلیٰ تعلیمی اداروں میں معیار تعلیم کی جانچ کرنے والے خود مختار ادارہ NAAG کی جانب سے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کو اعلیٰ ترین A گریڈ کا دیا جانا صرف ایک کامیابی نہیں بلکہ کامیابی کی سمت سفر کا آغاز ہے اور اس سفر کے لئے یونیورسٹی سے وابستہ ہر فرد کو اپنی ذمہ داری نبھانی ہوگی۔ ان خیالات کا اظہار پروفیسر اے ایم پٹھان، وائس چانسلر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے کیا۔ وہ 11 مارچ 2009 کو یونیورسٹی کے لئے NAAC کا اے گریڈ ملنے کی خوشی میں منعقدہ خصوصی جلسہ سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اردو یونیورسٹی کو اے گریڈ ملنا ایک اہم سنگ میل ہے کیونکہ صرف 4 برس قبل ہی اردو یونیورسٹی نے کیمپس تعلیم کا آغاز کیا تھا۔ 4 برسوں کے دوران انہوں نے ہندوستان بھر سے ماہر اساتذہ کو اردو یونیورسٹی میں جمع کیا۔ اکریڈیشن کے پہلے ہی برس اردو یونیورسٹی نے A گریڈ حاصل کرلیا۔ پروفیسر پٹھان نے 5 برس بعد دوبارہ اکریڈیشن کے وقت مزید بہتر مظاہرہ کی نصیحت کی۔ پروفیسر پٹھان نے فخریہ طور پر کہا کہ آج یونیورسٹی نے پروفیشنل کورسس میں بھی اردو زبان میں تعلیم دینے والے اساتذہ کی خدمات حاصل کرلی ہیں۔ یہ ایک ایسا اعزاز ہے جس پر جامعہ سے راست یا بالواسطہ طور پر وابستہ ہر شخص بجا طور پر فخر کرسکتا ہے۔ اردو یونیورسٹی کے قیام اور اس کے حیرت انگیز ارتقاء کو کئی لوگ اردو کی نشاۃ ثانیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (اظہار بیورو)

ملک کے موجودہ حالات میں اُردو یونیورسٹی کا نہایت اہم رول

جامعہ کے روشن مستقبل کی پیش قیاسی۔ چانسلر ڈاکٹر سیدہ حمید کا اولین دورہ۔ گرلز ہاسٹل کا افتتاح۔ تقریب سے خطاب

حیدرآباد۔(اظہار بیورو)۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے اپنے قیام کے 10 سالہ مختصر عرصہ میں جو نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں، انہیں پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یونیورسٹی کا مستقبل نہایت روشن ہے۔ ڈاکٹر سیدہ سیدین حمید، چانسلر یونیورسٹی نے ان خیالات کا اظہار ان کے اعزاز میں منعقدہ خیرمقدمی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ ڈاکٹر سیدہ حمید کا حال ہی میں معزز چانسلر کے عہدہ پر تقرر کیا گیا ہے جس کے بعد وہ پہلی مرتبہ یونیورسٹی تشریف لائیں۔ کانفرنس ہال میں خیرمقدمی تقریب سے خطاب سے قبل ڈاکٹر سیدہ حمید نے یونیورسٹی کیمپس میں 1.8 کروڑ روپے کی لاگت سے تعمیر کردہ گرلز ہاسٹل کی خوبصورت عمارت کا افتتاح انجام دیا۔ 24 کمروں پر مشتمل یہ عمارت صرف 10 ماہ میں مکمل کرلی گئی جس کی اب توسیع کی جاچکی ہے۔ خیرمقدمی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر سیدہ حمید نے ریمارک کیا کہ انہوں نے ہاسٹل کی ایسی خوبصورت عمارت پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ نئی چانسلر نے جو منصوبہ بندی کمیشن، حکومت ہند کی رکن بھی ہیں، ملک کے موجودہ حالات پر تشویش ظاہر کی اور کہا کہ اردو یونیورسٹی کو حالات کو مثبت انداز میں بدلنے کے لئے اہم رول ادا کرنا چاہئے۔ انہوں نے چانسلر کی حیثیت سے اپنے تقرر کو ایک اعزاز سے تعبیر کیا اور اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت سے وابستگی کی یادوں کو تازہ کیا۔ انہوں نے یونیورسٹی کے عہدیداروں اور تدریسی و غیر تدریسی ارکان کو مشورہ دیا کہ وہ جامعہ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے یونیورسٹی کے وسیع تر دائرہ اختیار کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اردو یونیورسٹی اپنی سرگرمیوں کے ذریعہ اہل اردو کے ایسے طبقات پر بھی اثر انداز ہوسکتی ہے جو ترقی کی روایتی گذرگاہوں سے کافی دور ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ہریانہ کے ضلع میوات کا حوالہ دیا جہاں اردو بولنے والوں کی قابل لحاظ تعداد ہے لیکن یہ علاقہ زندگی کے تقریباً ہر شعبہ میں پسماندہ ہے جبکہ اس سے متصل گڑگاؤں کا علاقہ صنعتی طور پر زبردست ترقی حاصل کر چکا ہے۔ اردو یونیورسٹی، میوات کے نواحی علاقہ میں اپنا علاقائی مرکز قائم کر رہی ہے۔ صدر خیرمقدمی نشست، وائس چانسلر پروفیسر اے ایم پٹھان نے اپنی تقریر میں بتایا کہ اردو یونیورسٹی کے جن مقاصد کا تعین کیا گیا ہے اس نے 10 سالہ مختصر عرصہ میں تقریباً نصف حاصل کرلئے ہیں۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ ڈاکٹر سیدہ حمید کی حرکیاتی اور ہمہ پہلو شخصیت، یونیورسٹی کی ترقی کی رفتار میں مزید اضافہ کا باعث بنے گی۔ وائس چانسلر نے ڈاکٹر سیدہ حمید کو گلدستہ اور یادگاری تحفہ بھی پیش کیا۔ ابتداء میں رجسٹرار ڈاکٹر پی پرکاش نے ڈاکٹر سیدہ حمید کا تعارف پیش کیا۔ پرووائس چانسلر اردو یونیورسٹی پروفیسر کے آر اقبال احمد نے جامعہ کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی اور فائنانس آفیسر سی ایم ایشوریا نے شکریہ ادا کیا۔ پروگرام کے آغاز پر یونیورسٹی کے انسٹرکشنل میڈیا سنٹر میں ڈاکٹر سیدہ حمید کی زندگی پر تیار کردہ دستاویزی فلم کی جھلکیاں بھی دکھائی گئیں۔

اظہار

پہلا شمارہ۔ اگست۔جنوری 2009-10
شعبہ ترسیل عامہ وصحافت۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی۔ حیدرآباد

کہا جاتا ہے کہ دنیا کا سب سے پہلا اخبار، رومن ایمپائر کے بانی جولیس سیزر نے نکالنا شروع کیا تھا جس کا نام ACTA DIURNA۔ پھر جان گوٹن برگ نے پرنٹنگ پریس ایجاد کیا تب سے پرنٹنگ کی دنیا میں انقلاب آگیا۔ اردو صحافت کا آغاز ہوتا ہے 1822ء میں، جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے مفادات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اردو کا پہلا ہفتہ وار اخبار ''جام جہاں نما'' جاری کیا تھا۔ 35 برس بعد 1857ء کے انقلاب سے پہلے مولوی محمد باقر نے (جنھیں بعد میں شہید کردیا گیا تھا) ''دہلی اردو اخبار'' جاری کیا۔ پھر اردو صحافت کی ترقی وترویج کا سلسلہ چلتا رہا۔ یہ دور انفارمیشن ٹکنالوجی کا دور ہے۔ یہ سیٹلائٹ کمیونی کیشن کا زمانہ ہے۔ گلوبل پوزیشننگ سسٹم (GPS) کا دوردورہ ہے۔ آج کے انسان کی زندگی میں اخبار، رسالے، فیچر فلمز، اشتہارات، کمپیوٹر، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا عمل دخل بڑھتا جارہا ہے۔ ہماری نئی نسل کے بچوں کے ہاتھوں میں اس نئے دور کی نئی ٹکنالوجی آگئی ہے جو آج کے انسان کے لئے ایک نیک فال ہے۔ گربہ مسکین جیسے چوہے سے کھیلتی ہے، اسی طرح آج ہمارا معصوم بچہ انٹرنیٹ یا کمپیوٹر سے جڑے ماؤز سے کچھ اس طرح کھیل رہا ہے کہ اسے دیکھ کر زیادہ عمر کے لوگ حیران رہ جاتے ہیں اور وہ کہنے لگے ہیں: بچے ہمارے گھر کے ہنرمند ہوگئے!

صحافت کی تکنیک بھی بدل گئی ہے۔ آج صحافی اپنی خبروں کا مواد (وی ڈی ٹی) یعنی ویژول ڈسپلے ٹرمینل پر اکٹھا کرلیا کرتے ہیں۔ پھر اسے ایجنسی کے کمپیوٹر کو فیڈ کردیتے ہیں۔ جہاں وہ مقناطیسی ڈسک پر قطعی اداریہ کے لئے اسٹور ہوجاتا ہے۔ اب سیٹلائٹ کی برق رفتاری کی بنا پر مشہور انگریزی روزنامہ ''دی ہندو'' چینائی میں طبع ہوکر وہاں Fascimile یا الیکٹرانک اسکیاننگ کے بعد سیٹلائٹ ٹرانسمیشن کے ذریعہ گڑگاؤں (دلی کے قریب) منٹوں میں پہنچ جاتا ہے اور وہاں سے طبع اور شائع ہوکر دلی اور آس پاس کے علاقوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔ ایسا ہی حال یوروپ کے مشہور فرانسیسی اخبار "Le Monde" کا ہے جو پیرس میں طبع ہوکر فیکس کے ذریعہ منٹوں میں ہانگ کانگ پہنچادیا جاتا ہے۔ صحافت کی اس برق رفتاری کے پیش نظر یہی کہا جاسکتا ہے کہ محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوتی جارہی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ صحافت ہو یا کوئی اور شعبہ، اس میں تربیت ومہارت حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ آج کے دور میں یہ تربیت ملک کی مختلف یونیورسٹیوں میں دی جارہی ہے۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی بھی ایک ایسی درسگاہ ہے جہاں میڈیا کے مختلف شعبوں کی تعلیم اور عملی تجربہ کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے جو کامیابی سے چل رہا ہے۔ جہاں تک پرنٹ میڈیا کا تعلق ہے، ہم طالب علم رپورٹنگ، فیچر رائٹنگ، سب ایڈیٹنگ، نیوز ایڈیٹنگ، کالم نویسی، کارٹون نویسی، اداریہ نویسی اور قانونی معلومات جیسے شعبوں کے بارے میں اطلاعات وتربیت حاصل کررہے ہیں۔ زیرنظر شمارہ ''اظہار'' جو ہمارا پہلا لیب جرنل ہے، یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا قیام پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے تحت 1998ء میں عمل میں آیا، یونیورسٹی اسی وقت سے کارکرد ہے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ یونیورسٹی میں مختلف روایتی کورسز کا آغاز 2004 سے ہوا۔ اسی دوران شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کا قیام بھی عمل میں آیا۔ اپنے آغاز ہی سے شعبہ کی یہ کوشش رہی ہے کہ طلبا کے لئے کورس کے نظری پہلوؤں کے ساتھ ساتھ عملی پہلوؤں پر زیادہ سے زیادہ زور دیا جائے تاکہ ہمارے طلبا جب یونیورسٹی کی فضا سے نکل کر میدان عمل میں قدم رکھیں تو انہیں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے اور کسی بھی شعبہ میں انہیں نئے پن کا احساس نہ ہو خواہ وہ پرنٹ میڈیا ہو یا کہ الکٹرانک میڈیا۔ لہٰذا میڈیا کے ہر پہلو پر خصوصی توجہ دی گئی ہے جس کے خاطر خواہ نتائج بھی برآمد ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے شعبہ سے فارغ ہونے والے طلبا پرنٹ اور الکٹرانک دونوں ہی میدانوں میں بخوبی اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اپنے ابتدائی مرحلہ میں ہونے کے باوجود شعبہ کے پاس آج بہترین انفراسٹرکچر موجود ہے جو ملک کے کسی بھی شعبۂ صحافت سے کم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ شعبہ میڈیا سے وابستہ مختلف قسم کے خصوصی نوعیت کے پروگرام آئندہ شروع کرنے جارہا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ ہماری کاوشیں ثمرآور ثابت ہوں گی اور آپ کی حوصلہ افزائی سے ہم کامیابی کی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ فی الحال تو ہم اپنی بات اس دعا پر ختم کرنا چاہیں گے کہ:

اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے!

ہندوستان میں اردو صحافت کی تاریخ

قاضی محمد عرفان

ہندوستان میں اردو صحافت کی تاریخ تقریباً پونے دوسو سال قدیم ہے۔ ہندوستان میں اردو صحافت کا آغاز بنگال کی سرزمین پر ہوا جو اردو کے سب سے بڑے مرکز دہلی سے کافی دور واقع ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ اردو زبان اس وقت بڑی تیزی سے فارسی زبان کی جگہ لے رہی تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے صدر مقام کی حیثیت سے کلکتہ شہر ایک طرح سے ہندوستان کی راجدھانی تھا۔ اسی سرزمین سے اردو کا پہلا اخبار، جام جہاں نما، 27 مارچ 1822ء کو شائع ہوا۔ یہی وہ تاریخ تھی جب ہندوستان میں اردو صحافت کی بنیاد کی پہلی اینٹ رکھی گئی۔ شروع میں اخبارات پر کمپنی بہادر کی جانب سے کوئی پابندی عائد نہیں تھی تاہم وارن ہسٹنگر کے گورنر جنرل کے عہدے سے مستعفی ہوکر انگلستان چلے جانے کے بعد 1823 میں ایک آرڈیننس جاری ہوا جس کی رو سے بنگال میں اخبار جاری کرنے کیلئے لائسنس حاصل کرنا ضروری ہوگیا۔ تاہم یہ پابندی زیادہ عرصہ قائم نہ رہی اور 1835 میں چارلس مٹکاف نے پابندی برخواست کردی۔ اِس آزادی کی وجہ سے بہت زیادہ تعداد میں اخبارات نکلنے لگے جن میں اردو کے بہت سے اخبارات بھی شامل تھے۔ اس وقت فارسی زبان کی جگہ اردو سرکاری زبان بن چکی تھی۔ یہ بات اردو پریس کے فروغ میں بہت مددگار ثابت ہوئی۔ اس زمانے میں دہلی میں مولانا محمد باقر کا دہلی اردو اخبار قابل ذکر ہے جو ہفت روزہ تھا۔ یہ اخبار صرف دہلی کا ہی نہیں سارے شمالی ہند کا پہلا اردو اخبار تھا جو 1857 تک شائع ہوتا رہا۔

1857 کے بعد اردو اخبارات کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اب تک تمام اخبارات ہفتہ وار تھے۔ اب روزناموں کا دور شروع ہو۔ یہ ایک الگ بحث ہے کہ 1857 سے پہلے اردو اخبارات حکومت یا حکام پر تنقید کرنے کی جرأت رکھتے تھے یا نہیں؟ تاہم اتنا ضرور ہے کہ اس وقت کے اخبارات مالی امداد کیلئے حکومت کے محتاج تھے اس لئے ان کے مالک اور ایڈیٹر ہمیشہ زیادہ سے زیادہ غیر جانبدار رہنے کی کوشش کرتے تھے۔

1857 کی بغاوت کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی سرسید احمد خاں نے نئی تہذیب کی روشنی پھیلانے کیلئے علمی وادبی صحافت کو اپنا آلہ کار بنایا۔ اس ضمن میں، سائنٹفک سوسائٹی ان کی پہلی کوشش تھی۔ اس کا مقصد ہندوستان میں علم کی توسیع وترقی کیلئے کام کرنا تھا۔ پھر انگلستان کے دورہ کے بعد انھوں نے تہذیب الاخلاق کے نام سے ایک خالص علمی رسالہ شروع کیا جس نے اردو صحافت کے فروغ میں ایک اہم کردار نبھایا۔

1857 کے قریب اردو کا سب سے بڑا روزنامہ منشی نول کشور کا اودھ اخبار، تھا یہ پہلا ہفت روزہ تھا۔ 1874 کے قریب یہ روزنامہ میں تبدیل ہوگیا۔ یہ اخبار برسوں چلتا رہا۔ ایک زمانے میں 40 صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ 19 ویں صدی کے آخری برسوں میں اردو صحافت نے ایک اور قدم آگے بڑھایا اور اخبارات کی قیمتیں کم ہوگئیں۔ اشتہارات سے آمدنی زیادہ ہونے لگی اور تعلیم کا فروغ ہونے سے زیادہ لوگ اخبار پڑھنے لگے۔

20 ویں صدی کے آغاز تک اردو صحافت جوان ہوچکی تھی۔ اس صدی میں ہمیں 3 ایسے اخبارات ملتے ہیں جو 18 ویں صدی کے اواخر میں جاری ہوئے تھے۔ ان میں امرتسر کا وکیل،، پیسہ اخبار اور صلح کل شامل ہیں۔ ان پرانے اخباروں کے علاوہ 20 ویں صدی کی اولین دہائی میں جو سب سے اہم اخبار نکلا وہ ''زمیندار'' تھا جس نے عوام میں اخبار بینی کا شوق پیدا کیا۔ زمیندار ہر موضوع پر بے باکی سے لکھتا تھا جبکہ وطن اور پیسہ اخبار کو سرکاری ترجمان تصور کیا جاتا تھا۔ 20 ویں صدی کے آغاز میں حسرت موہانی کا ''اردوئے معلیٰ'' بھی کافی اہمیت کا حامل ہے۔ یوں تو یہ ادبی رسالہ تھا مگر اس میں سیاسی مضامین بھی شائع ہونے لگے تھے۔ یہ رسالہ باغیانہ رجحان کی وجہ سے سیاسی بحران کا شکار رہا۔ ان رسالوں کے علاوہ ''مخزن'' نے بھی اردو صحافت کے فروغ میں کافی اہم رول ادا کیا۔

خواتین کا سب سے پہلا رسالہ 1908 میں دہلی سے شائع ہوا۔ اس کا نام ''عصمت'' تھا۔ اس کے مدیر محمد اکرم تھے۔ اس رسالہ نے خواتین میں سماجی بیداری پیدا کی۔ یہ رسالہ اب بھی کراچی سے شائع ہورہا ہے۔ خواتین کا ایک قابل ذکر اصلاحی رسالہ لکھنؤ سے ''حریم'' 1930 میں نسیم انہونوی نے شائع کیا جو ہنوز جاری ہے۔

20 ویں صدی کی دوسری دہائی میں جو 2 اخبارات سب سے اہم نظر آتے ہیں وہ ،الہلال اور ہمدرد ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ''الہلال'' 1912 میں کلکتہ سے شائع کیا۔ مولانا کی صحافتی نثر عوام کی سمجھ سے بالاتر تھی اس لئے الہلال، عوام سے زیادہ خواص کا محبوب رہا۔ اس رسالے کے مضامین نے انگریزوں کے حواس چھین لئے اور انگریزوں نے اس پر ضمانت طلب کی جسکی رقم ۱۰ ہزار تھی۔ اس وجہ سے یہ رسالہ بند کرنا پڑا۔ بعد میں مولانا نے ایک مذہبی رسالہ ''البلاغ'' نکالا۔ مولانا کی شخصیت اردو صحافت میں اتنی قدآور ہے کہ بہت کم ہی لوگ اس مقام کو پہنچ سکے۔ اس دور کا دوسرا اہم اخبار ''ہمدرد'' ہے جو مولانا محمد علی جوہر نے 1912 میں دہلی سے جاری کیا۔ اسکے علاوہ سردار دیوان سنگھ مفتون کا ''ریاست'' ہے جس نے اس دور میں ہنگامہ برپا کررکھا تھا۔ جمعیت العلماء ہند نے 1925 میں ''الجمعیۃ'' نکالا۔ پہلے یہ ہفتہ واری تھا۔ اس کے مدیر مولانا عرفان تھے۔

رفتہ رفتہ اردو صحافت ایک ایسے دور میں داخل ہوگئی جہاں ہر طرف آزادی کے نعرے لگائے جارہے تھے۔ اردو صحافیوں نے برطانوی سامراج کے خلاف جنگ میں جو نمایاں حصہ ادا کیا اس کی مثال کسی دوسری زبان کے صحافی پیش نہیں کرسکے۔ اس جنگ آزادی میں حصہ لینے والے صحافیوں میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خاں اور شری رنبیر کا نام روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اردو صحافت نے جس جوش وخروش کے ساتھ تحریک آزادی میں حصہ لیا وہ عدیم المثال ہے۔

آزادی کے بعد تقسیم ہند کی وجہ سے اردو صحافت کو بہت بڑا نقصان ہوا اور اردو صحافت کمزور ہونے لگی۔ اردو صحافت کو ایک اور بہت بڑا جھٹکا اس وقت لگا جب الیکٹرانک میڈیا نے اس میدان میں قدم رکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے صحافت کی تعریف بدل گئی۔

دور حاضر میں اردو صحافت کا منظرنامہ ماضی سے بہت مختلف ہوگیا ہے۔ مسطر اور کاتب کا رواج ختم ہوچکا ہے۔ نئے کاتب کمپیوٹر کے تختہ کلید پر انگلیاں گھمارہے ہیں۔ خبروں کے شعبہ میں نہ صرف بہت سارے اخبارات اپنے رپورٹرس (نامہ نگاروں) سے کام لے رہے ہیں بلکہ نیوز ایجنسیوں کی خدمات سے بھی استفادہ کیا جارہا ہے۔ خبروں کی دوڑ میں اخبارات اور ٹیلی ویژن پر دن بہ دن بڑھنے والے شوز، چینلوں کی رقابت کا سامنا کررہے ہیں۔ یہ تو صحافت کے اندرونی معاملات اور مسائل ہیں لیکن اردو کے تعلق سے ہندوستان میں جو تعصبانہ رویہ اپنایا جارہا ہے وہ بھی قابل غور ہے۔ ضرورت ہے کہ اردو صحافت کے نظام کو صحیح کیا جائے۔ اردو صحافیوں کو معقول تنخواہیں ایصال کی جائیں اور صحافت کو فروغ دینے میں پوری ایمانداری کے ساتھ کام کیا جائے تو انشاء اللہ مستقبل میں اردو صحافت،افق کا وہ ستارہ ہوگا جس کی روشنی چاند سے زیادہ ہوگی۔

شیخ الجامعہ کے قلم سے ....

ڈیڑھ سوسال پہلے ترسیل کا المیہ یہ تھا کہ جب امریکہ کے صدر نے اپنے اسٹاف سے کہا تھا کہ ایک سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا، ہمیں پیرس میں اپنے سفیر کے پاس سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ پتہ کرنا چاہئے کہ وہاں کیا کچھ ہورہا ہے۔ آج: "ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا" کے مصداق سیٹلائٹ، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ ترسیل وابلاغ کا معاملہ کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا یہ انسان کو حیرت زدہ کئے ہوئے ہے۔

پچھلے 10 برسوں سے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد میں مختلف مضامین اور شعبوں میں فاصلاتی اور روایتی طرز تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی دانش کدہ میں شعبہ ترسیل و ابلاغ وصحافت قائم کیا گیا جہاں ریڈیو، ٹیلی ویژن، صحافت اور کمپیوٹر وغیرہ کی تدریس کا کام ہورہا ہے۔ یہاں سے ہمارے طلبا پوسٹ گریجویٹ کی ڈگری لے کر اور کسی حد تک عملی تجربہ سے آراستہ ہوکر ریاست کے مختلف محکمہ جات میں کامیابی سے اپنے دانش کدہ کا نام روشن کررہے ہیں۔

شعبہ ترسیل وابلاغ وصحافت کی طرف سے یہ لیب جرنل ''اظہار'' شائع ہورہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے طلبا اس شعبہ میں تمام سہولتوں سے فائدہ اٹھائیں گے اور انفرادی جدوجہد کے ساتھ وہ پہلا قدم اٹھائیں گے جو بعد کو Giant Step ثابت ہوسکتا ہے۔

میں اس شعبہ کے طلبا کو جنہوں نے یہ لیب جرنل شائع کیا ہے، مبارکباد دیتا ہوں۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

کے آر اقبال احمد
(کارگذار وائس چانسلر۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی)

جھروکہ

- ہندوستان کا پہلا اخبار 29 مئی 1780ء کو کلکتہ سے شائع ہوا جس کا نام ''ہکیز گزٹ'' یا ''کلکتہ جنرل ایڈورٹائزر'' تھا۔ جیمس آگسٹس ہکی نے انگریزی زبان میں اسے شائع کیا جو ہفت روزہ تھا۔
- ہندوستانی زبان کا پہلا اخبار عیسائی مشنریوں نے کلکتہ سے بنگالی زبان میں شائع کیا جس کا نام ''دِگ درشن'' تھا۔ اس کا مقصد عیسائیت کا پرچار تھا۔
- اردو کا پہلا اخبار ''جام جہاں نما'' ہے جو کلکتہ سے مئی 1822ء میں شائع ہوا۔ اسے مسلمانوں نے نہیں بلکہ غیر مسلموں نے شائع کیا۔
- فارسی کا پہلا اخبار ''مراۃ الاخبار'' تھا جسے راجہ رام موہن رائے نے 1821ء میں کلکتہ سے شائع کیا۔
- ہندی کا پہلا اخبار ''اودنت مارتنڈ'' ہے جو 30 مئی 1828 کو جے سی مارشن مین نے شائع کیا۔
- تلگو زبان کا پہلا اخبار 1838ء میں ''ورت تانتی'' مدراس (چینائی) سے شائع ہوا۔

قارئین کے قلم سے ....

کیوں میڈیا ہوتا جارہا ہے غیرذمہ دار

ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے۔ ہمارے ملک میں صحافت یعنی میڈیا کو جمہوریت کا چوتھا ستون سمجھا جاتا ہے۔ اس نقطہ نظر کی وضاحت ضروری ہے کہ میڈیا کو چوتھا ستون قرار نہیں دیا جاتا بلکہ سمجھا جاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں میڈیا جس طرح غیر ذمہ دارانہ اور جانبدارانہ کردار ادا کررہا ہے اس سے نہ صرف صحافت کی روح مجروح ہورہی ہے بلکہ اس کا بھروسہ بھی کھوتا جارہا ہے۔ ایسا ہی ایک غیر ذمہ دارانہ کردار گزشتہ دنوں دیکھنے کو ملا۔۔ ہندوستان میں بنی فلم ''سلم ڈاگ ملینئر'' کو 8 آسکر ایوارڈ حاصل ہوئے۔ 2 ایوارڈ بالی ووڈ کے مشہور موسیقار اے آر (اللہ رکھا) رحمٰن کو ملے۔ اسی تعلق سے حیدرآباد سے نکلنے والے انگریزی روزنامہ ''دکن کرانیکل'' میں لگائی گئی شہ سرخی ''رحمٰن ٹاپ.....'' اور اسکے آگے انگریزی لفظ ''ڈاگ'' لکھا ہوا تھا جسکے بیک وقت دو معنی نکلتے ہیں اور معنی کا دوسرا پہلو انتہائی اذیت ناک اور عام فہم بھی ہے جسے قارئین بنا تشریح و وضاحت باآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ معنی کے دوسرے پہلو کو عام آدمی بھی بہ آسانی سمجھ سکتا ہے تو پھر اس اخبار کے سب ایڈیٹر، چیف ایڈیٹر اور ایڈیٹر کو معنی کا دوسرا پہلو کیوں سمجھ میں نہیں آیا؟ کیوں وہ اتنے غیرذمہ دار بن گئے کہ دوسروں کو راہ دکھانے والے خود راستے کے محتاج ہوگئے۔ دوسرا واقعہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے تعلق سے اس وقت پیش آیا جب یونیورسٹی نے اپنے جلسہ تقسیم اسناد کیلئے میریٹ ہوٹل کا انتخاب کیا اور لوگوں کو وہاں مدعو کیا۔ اس پروگرام میں شہنشاہ جذبات مشہور فلم اداکار ''دلیپ کمار'' بھی مدعو تھے تاہم ناسازی طبیعت کی وجہ سے وہ حیدرآباد تشریف نہ لاسکے۔ اسی تعلق سے مذکورہ انگریزی اخبار ''دکن کرانیکل'' نے بنا تحقیق یہ خبر شائع کی کہ اس پروگرام پر 10 لاکھ روپے کی موٹی رقم خرچ ہوئی جو سراسر غلط بات ہے۔ بات پھر وہیں آکر رکتی ہے کہ ایسی غیر ذمہ دارانہ حرکتیں کیوں سرزد ہورہی ہیں۔ اگر میڈیا اسی طرح غیر ذمہ دارانہ کردار کا نمونہ عوام کے سامنے پیش کرتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب عوام کا بھروسہ میڈیا پر سے اٹھ جائے گا۔

محمد شبیر حسین
ایم اے (ماس کمیونی کیشن اینڈ جرنلزم۔ مانو)

لداخ میں مانو اسٹیڈی سنٹر کا قیام لائق تحسین

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے اپنے تعلیمی سفر کو جاری رکھتے ہوئے ملک کے سرحدی علاقہ لداخ میں بھی رواں سال اپنا اسٹیڈی سنٹر، ڈگری کالج کارگل میں قائم کیا ہے۔ یہ ہم سب کے لئے باعث مسرت ہے کہ جموں وکشمیر کے دورافتادہ علاقہ، لداخ میں اس کے قیام سے نوجوان طبقہ کو اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونے کا موقع ملے گا۔ علاقہ لداخ میں موسم سرما کے دوران بھاری برف باری کی وجہ سے ذرائع آمدورفت منقطع ہوجاتے ہیں۔ درہ زوجیلا کو گیٹ وے آف لداخ کہتے ہیں۔ یہ سائبیریا کے بعد دنیا کا دوسرا سردترین علاقہ ہے جہاں کا درجہ حرارت منفی 40 سے 45 ڈگری ریکارڈ کیا جاتا ہے۔ اس تناظر میں یہاں اسٹیڈی سنٹر کے قیام سے اعلیٰ تعلیم کے خواہشمند حضرات کی امیدیں روشن ہوگئی ہیں اور عوامی حلقوں میں اس سے خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ ہم اس ضمن میں یونیورسٹی حکام بالخصوص وائس چانسلر پروفیسر اے ایم پٹھان، پروائس چانسلر پروفیسر کے آر اقبال احمد اور یونیورسٹی عملہ کے علاوہ علاقائی سنٹر سرینگر کے ڈائرکٹر اور اسسٹنٹ ڈائرکٹر کے بھی ممنون ومشکور ہیں، جنہوں نے ہمیں یہ سہولتیں فراہم کیں۔

سید مہدی رضوی تیسور، کارگل
ایم اے اردو (فاصلاتی تعلیم) مانو

اکبر

آپ نے حضرت ملادوپیازہ اور بیربل کے ملفوظات میں اس بادشاہ کا حال پڑھا ہوگا۔ راجپوت مصوری کے شاہکاروں میں اس کی تصویر بھی دیکھی ہوگی، ان تحریروں اور تصویروں سے یہ گمان ہوتا ہے کہ بادشاہ سارا وقت داڑھی بنانے، مونچھ ترشوانے یا اکڑوں بیٹھا پھول سونگھتے رہنے میں مشغول رہتا تھا یا لطیفے سنتا تھا۔ یہ بات نہیں ہے وہ اور بھی کام کرتا تھا۔ اکبر قسمت کا دھنی تھا، چھوٹا سا تھا کہ باپ بادشاہ، ستارے دیکھنے کے شوق میں کوٹھے سے گر کر جاں بحق ہوگیا اور تاج وتخت اکبر کو مل گیا۔ ایڈورڈ ہفتم کی طرح اسے 64 برس ولی عہدی میں نہیں گذارنے پڑے۔ ویسے اس زمانہ میں اتنی لمبی ولی عہدی کا رواج بھی نہیں تھا، ولی عہد لوگ جونہی باپ کی عمر کو معقول حد سے تجاوز کرتا دیکھتے تھے اسے قتل کرکے، یا زیادہ رحم دل ہوتے تو قید کرکے، تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوجایا کرتے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ دن رعایا کی خدمت کا حق ادا کرسکیں۔

(ابن انشاء کی انسائیکلوپیڈیا سے اقتباس)

زرین اقوال

- سچ بولو خواہ کسی کو ناگوار ہو۔
- برے ساتھی سے تنہائی اچھی ہے۔
- کھلی عداوت بہتر ہے منافقانہ موافقت سے۔
- علم اس حد تک سیکھو کہ اعمال درست ہوجائیں۔
- علم، بغیر عمل کے سودمند نہیں۔
- آہستہ آہستہ مگر مسلسل چلنا کامیابی کی ضمانت ہے۔

بھولا اور پولا

اعجاز احمد

مزاجاً مزاحاً

بھولا دل کا برا نہیں، لیکن شروع سے اس کی عادت ہے کہ کرتا پہلے ہے سوچتا بعد میں ہے اور سوچنے کے بعد بھی وہی کرتا ہے جو پہلے کرکے پچھتا چکا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ قسمت کی دیوی بھولے پر بری طرح عاشق ہے۔

مثلاً اب سے 28 برس قبل جب شہر کے لوگ بھولے کو محض ایک خوشحال کاروباری کے طور پر جانتے تھے، بھولے کو سیاست میں آنے کا شوق چرایا اور اس نے بلدی انتخابات سے اپنی طویل اننگز کا آغاز کیا۔ بھولے نے خود کی ایک سیاسی شخصیت کے طور پر پہچان بنانے کے لئے اخبارات میں اپنے بارے میں رنگین سپلیمنٹ شائع کرائے۔ بھولے کی خوش قسمتی کہ آمرِ وقت کو خود کو اخلاقی سیاسی جواز دینے کے لئے تازہ نئے چہرے درکار تھے۔ اس لئے بھولے کے مقدر کے ساتوں دروازے یکے بعد دیگرے کھلتے چلے گئے اور پھر کونسلر بھولے نے پیچھے مڑکر نہ دیکھا۔

بھولے کے جہاندیدہ ابا نے اپنے بچوں کے لئے مستقبل کا جو نقشہ تیار کیا تھا وہ اتنا بڑا تھا کہ بھولا تن تنہا اس میں رنگ نہ بھر سکتا تھا۔ چنانچہ ابا نے بھولے کے برادر خورد 'پولے' کو بھی بڑے بھائی کی ہمہ وقت مدد پر مامور کردیا۔ کچھ ہی عرصہ میں بھولے اور پولے کی جوڑی ہٹ ثابت ہوگئی۔ اسٹابلشمنٹ کو اس جوڑی کی صورت میں دو تازہ دم نئے گھوڑے اور بھولے اور پولے کو دوڑنے اور چرنے کے لئے ایک نیا، وسیع اور سرسبز میدان مل گیا۔ دونوں نے بہت کم عرصے میں خود کو جغادری کھلاڑیوں سے نہ صرف منوالیا بلکہ بہتوں کو پیچھے چھوڑ گئے۔

بس یہی وہ گھڑی تھی جب بھولے اور پولے کو یقین ہونا شروع ہوگیا کہ میدان میں اب ان کے سوا کوئی نہیں ہے اور وہ جہاں تک اور جب تک چاہیں دوڑ سکتے ہیں۔

پھر وہی ہوا جو ضرور ہوتا ہے۔ بھولے اور پولے نے اپنا دربار بنالیا۔ جو درباری نہ بنا اسے جوتے پڑنے لگے اور تو اور!

انہوں نے ایسے لوگوں سے بھی پنگا لینا شروع کردیا جو بھولے اور پولے کی جڑوں سے پوری طرح واقف تھے۔ بھولے کو یہ بتایا گیا کہ خدا نے دراصل اسے قوم کی رہنمائی کے لئے اکبراعظم یا شاہجہاں کے روپ میں پھر سے اتارا ہے۔

چنانچہ جب بھولے کا نشہ ٹوٹا تو اس نے خود کو پولے کے ہمراہ ایک ننگے ٹھنڈے فرش والے کمرے میں پایا جس کا ایک ہی دروازہ تھا اور وہ بھی لوہے کا موٹی موٹی سلاخوں والا۔ بھولا اور پولا گھبرا گئے اور اس کمرے سے چھٹکارا پانے کے لئے انہوں نے اپنے تعلقات کو آخری سطح تک استعمال کرلیا۔

چندروز بعد بھولے اور پولے کو جب تازہ ہوا لگی اور ان کے اوسان بحال ہوئے تو انہیں پھر سے پرانے سنہری دنوں کی یاد گدگدانے لگی۔ ان کا جی چاہنے لگا کہ جمہوری جدوجہد وہیں سے شروع کی جائے جہاں سے وہ یہ جدوجہد ٹھنڈے فرش والے کمرے میں چھوڑ آئے تھے۔

لیکن بھولے اور پولے کو یہ اندازہ نہیں ہوسکا کہ اس دوران پل کے نیچے سے بہت سا سیاسی اور بین الاقوامی پانی گذر چکا ہے، جو اپنے تھے وہ پرائے ہوچکے ہیں۔ اب کوئی کسی کے منہ میں نوالہ بنا کر نہیں ڈالتا۔ اب تو اپنی روٹی اپنے ہی توے پر پکانی پڑے گی۔ سیاست کی تیز دھوپ میں میثاق جمہوریت کی نقل سے سر کو ڈھانپ کر مفادات کے چپل پہنے بغیر غیر یقینی مستقبل کے صحرا میں جانے کب تک چلنا پڑے گا۔

منڈیلا کو منڈیلا بننے کے لئے 27 برس طویل قید خانہ پار کرنا پڑا تھا۔

بھولا اور پولا تو صرف سات برس میں ہی گھبرا گئے۔

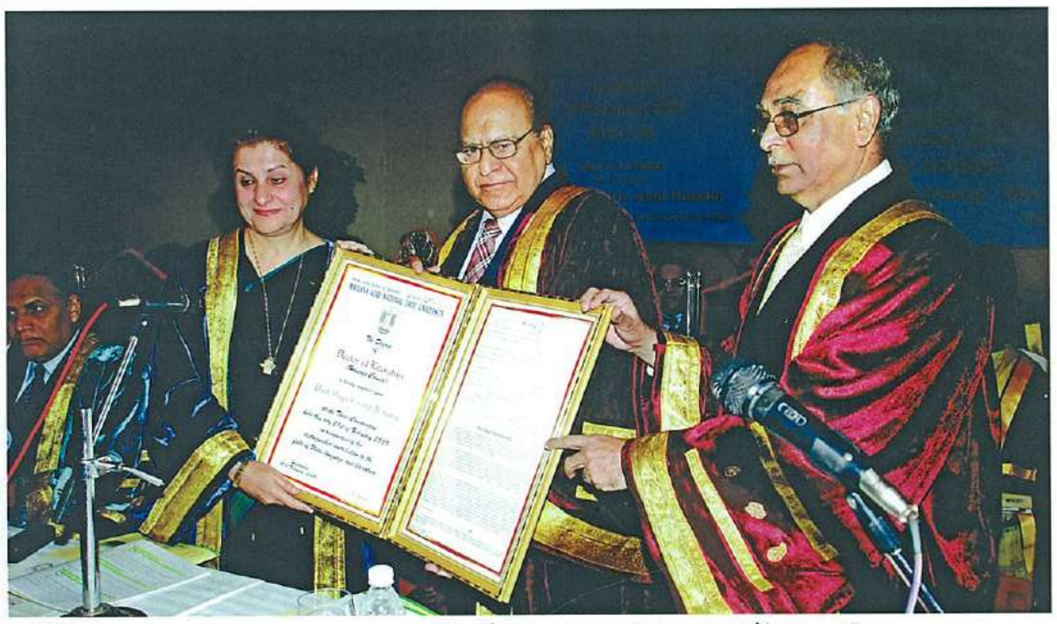

چانسلر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ڈاکٹر سیدہ سیدین حمید اور وائس چانسلر پروفیسر اے ایم پٹھان، سابق صدر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی پروفیسر گوپی چند نارنگ کو ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری پیش کرتے ہوئے۔ دوسری تصویر میں پدم شری محترمہ جیلانی بانو کو ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری پیش کی جا رہی ہے۔

اعلیٰ تعلیمی اداروں میں طلبا کی شرح داخلہ میں اضافہ ناگزیر

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے تیسرے جلسہ تقسیم اسناد کا شاندار انعقاد۔ دلیپ کمار، ڈاکٹر عابد حسین، گوپی چند نارنگ اور جیلانی بانو کو ڈی لٹ کی اعزازی ڈگریاں

نئی نسل کا اردو سے رشتہ برقرار رکھنے پر زور۔ صدر نشین یو جی سی پروفیسر سکھ دیو تھوراٹ اور وائس چانسلر پروفیسر اے ایم پٹھان کا خطاب

اعجاز احمد

حیدرآباد۔ جلسہ تقسیم اسناد کا انعقاد کسی بھی یونیورسٹی کے لئے معراج سے کم نہیں ہوتا۔ یہ ایک ایسی تقریب ہوتی ہے جس کے انعقاد پر یونیورسٹی سے وابستہ ہر فرد خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ اس تقریب میں جہاں کامیاب ہونے والے طلبا و طالبات کے درمیان اسناد تقسیم کئے جاتے ہیں، وہیں انکے کاندھوں پر قوم و ملت کے ساتھ وفاداری اور بہی خواہی کی ذمہ داری بھی ڈالی جاتی ہے۔ اس موقع پر یونیورسٹی کو آئندہ کے لائحہ عمل کی تیاری اور انتظامیہ کو اپنے بہترین کارناموں پر دل کھول کر خوشی کے اظہار کا موقع بھی ملتا ہے۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی کی گذشتہ کارکردگی سے لوگوں کو آگاہ بھی کیا جاتا ہے۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا تیسرا جلسہ تقسیم اسناد، ہفتہ 21 فروری 2009ء کو شہر کی شاندار میریٹ ہوٹل میں عظیم الشان پیمانہ پر منعقد ہوا۔ یونیورسٹی کا پہلا جلسہ تقسیم اسناد اگست 2005 کو منعقد ہوا تھا جس میں تقریباً 4 ہزار طلبا کو ڈگریاں عطا کی گئی تھیں۔ دوسرا جلسہ تقسیم اسناد جون 2007ء کو منعقد ہوا جس میں تقریباً ساڑھے تین ہزار طلباء کو ڈگریاں عطا کی گئیں۔ تیسرے جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت چانسلر یونیورسٹی ڈاکٹر سیدہ سیدین حمید نے کی جبکہ صدر نشین یونیورسٹی گرانٹس کمیشن پروفیسر سکھ دیو تھوراٹ نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ سابق سفیر ہند برائے امریکہ عابد حسین، سابق صدر شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی پروفیسر گوپی چند نارنگ، پدم شری محترمہ جیلانی بانو اور شہنشاہ جذبات و ممتاز فلم اداکار یوسف خان (دلیپ کمار) کو ڈی لٹ کی اعزازی ڈگریاں پیش کی گئیں۔ وائس چانسلر پروفیسر اے ایم پٹھان نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا جس میں تمام اعزازی ڈگری یافتہ مہمانوں کا تعارف پیش کیا گیا۔ انہوں نے 11 سال قبل قائم شدہ قومی یونیورسٹی اور اسکی سرگرمیوں کا تفصیلی تعارف پیش کرتے ہوئے اشارہ کیا کہ یونیورسٹی کے نام اور اس کے بنیادی تصور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حکومت اردو کو ایک قومی زبان تسلیم کرتی ہے اور اس پر خصوصی توجہ دینا چاہتی ہے۔ اُردو ملک کی عوامی زبان ہے۔ پورے ملک کے لوگ اس کو رابطہ کی زبان کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ موصوف نے فاصلاتی طریقہ تعلیم اور روایتی طرز تعلیم و موجودہ کورسیس کے بارے میں بات کرتے ہوئے ریجنل سنٹرس کے بارے میں بھی شرکاء کو آگاہ کیا اور بتایا کہ اس تقریب میں تقریباً 6 چھ ہزار طلباء کو ڈگریاں عطا کی جائیں گی۔ اس کے بعد مہمان اعزازی ڈگری یافتگان کو توصیف نامے پیش کئے گئے اور ان کے غیر معمولی کارناموں کی سراہنا کی گئی۔ مہمان اعزازی نے اپنے اپنے تاثرات پیش کئے۔ عابد حسین نے وائس چانسلر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس ڈگری کو نفیس ڈگری سے تعبیر کیا اور کہا کہ اس ڈگری کی ہماری زندگی میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔ گوپی چند نارنگ نے مولانا ابوالکلام آزاد کا ذکر کرتے ہوئے اپنی بات شروع کی اور کہا کہ یہ یونیورسٹی جس کا خواب ہمارے بزرگوں نے 30 سال پہلے دیکھا تھا اور جس کا میں بھی ایک ادنیٰ ممبر تھا آج اسی یونیورسٹی نے جب مجھے اس اعزاز سے سرفراز کیا ہے تو میں اپنے آپ کو دنیا کا انتہائی خوش نصیب انسان تصور کرتا ہوں۔ محترمہ جیلانی بانو نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے چانسلر اور وائس چانسلر کے علاوہ تمام لوگوں کا شکریہ ادا کیا اور نئی نسل کا اردو سے رشتہ برقرار رکھنے کی ضرورت پر زور دیا۔ شہنشاہ جذبات اور ہر دلعزیز بالی ووڈ اداکار یوسف خان عرف دلیپ کمار، ناسازی طبیعت کی بنا تقریب میں شرکت نہیں کر سکے۔ اس بات کی اطلاع ان کی اہلیہ محترمہ سائرہ بانو نے وائس چانسلر کو فون پر دی۔ اس کے باوجود موصوف نے یونیورسٹی کے لئے نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے اپنا ایک پیام روانہ کیا جسے تقریب میں اسلم فرشوری نے پڑھ کر سنایا۔ دلیپ کمار نے اپنے تحریری پیام میں اشعار کی مدد سے اردو زبان کی شیرینی اور لطافت کو خراج تحسین پیش کیا۔ یوسف صاحب کی اعزازی ڈگری بھی ان کے غیاب میں اسلم فرشوری نے ہی حاصل کی۔ صدر نشین یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی) پروفیسر سکھ دیو تھوراٹ نے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ان تمام لوگوں کو مبارکباد پیش کی جنھوں نے ڈگری حاصل کیں۔ انہوں نے یونیورسٹی کی ترقی پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ 11 سال کی قلیل مدت میں انہوں نے کسی یونیورسٹی کو زمین سے اٹھ کر آسمان پر پہنچتے نہیں دیکھا۔ مولانا آزاد یونیورسٹی کی غیر معمولی ترقی کو دیکھ کر مجھے کافی خوشی ہوئی۔ ترقیاتی امور میں اضافہ پر انہوں نے پٹھان صاحب کو مبارکباد پیش کی۔ موصوف نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ حکومت نے گیارہویں پنچسالہ منصوبہ کے دوران اعلیٰ تعلیم کے سلسلہ کی حکمت عملی اور طریقہ کار کو قطعیت دی ہے اور ضروری فنڈ مختص کر کے اس پر عمل آوری کا بھی آغاز کر دیا ہے۔ مزید یہ کہ گیارہویں منصوبہ میں ایک طریقہ کار اور لائحہ عمل تیار کیا گیا ہے جو ہندوستانی اعلیٰ تعلیمی نظام کے مسائل پر خصوصی توجہ مرکوز کرے گا۔ یہ ضروری ہے کہ انفرادی طور پر ریاستی حکومتیں بھی اس طرح کے اقدامات متعلقہ ریاستوں کے منصوبوں میں شامل کریں۔ انہوں نے داخلوں کی شرح میں اضافہ اور ان گھروں کے بچوں کی یونیورسٹی کے اداروں تک رسائی پر زور دیا جو اعلیٰ تعلیم سے ہنوز محروم ہیں۔ انہوں نے معیار تعلیم سے متعلق امور، حسب ضرورت تعلیم اور مختلف تعلیمی اصلاحات کے لئے حکمت عملیاں وضع کرنے پر بھی زور دیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ یو جی سی نے اساتذہ کے تقررات پر پابندی برخواست کرتے ہوئے اس اہم شعبہ کو ایک بحران سے بچالیا ہے۔ پروفیسر تھوراٹ نے اساتذہ کو سماج کا ایک اہم حصہ قرار دیا اور پیشہ تدریس سے قابل افراد کی وابستگی کو برقرار رکھنے کے لئے اسے پرکشش بنانے پر بھی زور دیا۔ اس سلسلہ میں یو جی سی نے اپنی سفارشات پیش کر دی ہیں۔ انہوں نے ریمارک کیا کہ استاد صرف ملازمت نہیں کرتا بلکہ اچھے شہری تیار کرتا ہے جو جمہوریت کی بقا کے لئے ضروری ہیں۔ تاہم صرف مرکزی سطح پر اقدامات کافی نہیں ہیں بلکہ ریاستی یونیورسٹیوں کو بھی اس سمت میں کوشش کرنی چاہئے۔ اعلیٰ تعلیم اور تحقیق کے رجحان کو فروغ دینے کے لئے سنٹرل یونیورسٹیوں میں ایم فل اور پی ایچ ڈی طلبا کو اسکالرشپ فراہم کی جا رہی ہے۔ ریاستی جامعات میں بھی یو جی سی کی جانب سے اس طرح کی فیلوشپ کا منصوبہ ہے۔ پروفیسر تھوراٹ نے تعلیم کے توسیعی منصوبوں کے ساتھ ساتھ معیار کی برقراری کو بھی اہم قرار دیا۔ اقلیتی طبقات کو مسابقتی امتحانات میں شرکت اور کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے حکومت ہند نے جن دو یونیورسٹیوں کی نشاندہی کی ہے ان میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی بھی شامل ہے۔ جلسہ تقسیم اسناد میں پرو وائس چانسلر و انچارج رجسٹرار پروفیسر کے آر اقبال احمد، کنٹرولر امتحانات ڈاکٹر ایس اے وہاب، ایگزیکیٹو اور اکیڈیمک کونسل کے ارکان کے علاوہ بانی وائس چانسلر پروفیسر محمد شمیم جیراجپوری، وائس چانسلر انگلش اینڈ فارن لینگویج یونیورسٹی پروفیسر ابھے موریا، تدریسی و غیر تدریسی عملہ کے علاوہ طلبا کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ چانسلر ڈاکٹر سیدہ سیدین حمید کے ہاتھوں طلبا میں گولڈ میڈل تقسیم کئے گئے۔ جن طلبا نے اپنے اپنے شعبوں میں گول میڈل حاصل کیا ان میں سید عارف، آمنہ تبسم، افشاں فاطمہ، سید عبدالجواد، شہاب الدین، ثمینہ ظفر، آنند، ہاشمی سید شعیب، مصاحب علی، محمد ارشد، عارفہ شبنم، سید یاور علی، اسماء سلطانہ، شہید النسا بیگم، درخشاں جبین، شہناز خاتون، منظور احمد پیرزادہ، شہانہ انجم، آصف احمد، شیخ طفیل احمد، حمیرہ محمود احمد اور میناکشی ایم پٹیل شامل ہیں۔ ڈاکٹر سیدہ حمید نے گولڈ میڈل اور ڈگریاں حاصل کرنے والے تمام طلبا کو حلف دلایا کہ آپ اس ڈگری کا استعمال صحیح کاموں کے لئے کریں گے۔

چانسلر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ڈاکٹر سیدہ سیدین حمید اور صدر نشین یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی) سکھدیو تھوراٹ، شعبہ ترسیل عامہ و صحافت کے گولڈ میڈلسٹ طالب علم ہاشمی سید شعیب کو ڈگری اور توصیف نامہ پیش کرتے ہوئے۔

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

قیام کا ایک دہا مکمل

سیدہ فردوس فاطمہ

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، پارلیمنٹ کے ایک خصوصی ایکٹ کے تحت 1998ء میں سنٹرل یونیورسٹی کی حیثیت سے قائم ہوئی۔ یونیورسٹی میں روایتی اور فاصلاتی طرز تعلیم رائج ہے۔ اسکے دائرہ کار میں سارا ملک شامل ہے۔ ملک بھر میں یونیورسٹی کے 147 تعلیمی مراکز (اسٹڈی سنٹرس) اور 9 علاقائی مراکز (ریجنل سنٹرس) دہلی، پٹنہ، بھوپال، دربھنگہ، بنگلور، سرینگر، کولکتہ، رانچی اور ممبئی میں واقع ہیں۔ یونیورسٹی کا مقصد اردو زبان کی ترقی و ترویج کے ساتھ ساتھ تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ اور اردو زبان میں تکنیکی و پیشہ وارانہ تعلیم کی فراہمی اور روایتی اور فاصلاتی طرز تعلیم کا فروغ شامل ہے۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کو قائم ہوئے ایک دہے سے زائد عرصہ ہو چکا ہے۔ اس قلیل عرصہ میں یونیورسٹی نے اپنے کارناموں کی بدولت سارے ملک میں جو شہرت حاصل کرتے ہوئے اپنی پہچان بنائی ہے، اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ اردو زبان کی ترقی کی راہ میں ملک کی تقسیم کے بعد جو رکاوٹیں پیدا ہوئیں انکی وجہ سے اردو زبان وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ محدود ہوتی جا رہی تھی۔ ایسے وقت میں اردو یونیورسٹی کا قائم ہونا جبکہ ملک میں ہندی اور انگریزی زبان کا پوری طرح سے غلبہ تھا، اردو داں طبقے کیلئے بہت بڑی اور خوش آئند بات ہے۔ اس مختصر سی مدت میں یونیورسٹی نے اردو زبان کو جس طرح فروغ دیا ہے وہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ یونیورسٹی کے فاصلاتی طرز تعلیم کے ذریعہ تو ملک بھر کے لوگ استفادہ کر رہے ہیں لیکن اسکے ساتھ ہی یونیورسٹی نے اپنے کیمپس میں مختلف شعبے اور خصوصاً پروفیشنل شعبے جیسے ایم بی اے اور ایم سی اے قائم کر کے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس طرح اردو طلباء کی دیرینہ آرزو کو پورا کیا گیا ہے۔ یونیورسٹی میں مقامی طلباء کی تعداد تو خاصی اچھی ہے لیکن یونیورسٹی کی مقبولیت کا اندازہ غیر مقامی طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد سے لگایا جا سکتا ہے۔ ملک کی بیشتر ریاستوں سے تعلق رکھنے والے طلباء یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں۔ ان ریاستوں میں جموں و کشمیر، بہار، مغربی بنگال، یوپی، کیرالا، کرناٹک اور مہاراشٹرا سے تعلق رکھنے والے طلباء کی تعداد قابل ذکر ہے۔

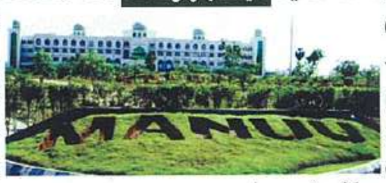

ماس کمیونی کیشن کی اُردو میں تدریس، بی بی سی کا اظہار ستائش

'آپ کا ایڈیشن آپ کے شہر میں' کے عنوان پر عالمی صحافتی ادارہ کے نمائندوں کی حیدرآباد آمد۔ اردو یونیورسٹی کا بھی دورہ

رپور تاژ --- تبریز عالم

بی بی سی اُردو آن لائن خدمات کی جانب سے "آپ کا ایڈیشن آپ کے شہر میں" کے زیر عنوان بی بی سی اُردو سروس (بی بی سی اُردو ڈاٹ کام) کے نمائندوں نے مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی میں شہریان حیدرآباد اور طلبا اُردو یونیورسٹی کو بی بی سی اُردو خدمات (اُردو ڈاٹ کام) کے بارے میں معلومات پہنچائیں۔ بی بی سی اُردو خدمات کے آن لائن ایڈیٹر مرزا وحید نے کہا کہ بی بی سی عالمی سطح کا با اعتماد، مکمل غیر جانبدار و خود مختار آزاد صحافتی ادارہ ہے اور یہ ادارہ معیاری صحافت کا علمبردار ہے۔ انہوں نے کہا کہ دنیا کے کسی بھی گوشہ میں ہونے والی ہلچل کو بی بی سی، آپ کے سامنے آئنہ کی طرح پیش کر دیتا ہے۔ بی بی سی اُردو ڈاٹ کام کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ 2000ء میں ان خدمات کا آغاز کیا گیا۔ ابتداء میں اس کی اسکرپٹ انگریزی تحریر ہوتی تھی جب اُس کو کلک کیا جاتا تو اُردو میں آواز سنائی دیتی۔ مگر 2001 سے باقاعدہ اُردو تحریر پیش کی جا رہی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ بی بی سی اُردو کے لئے ایک ایسا سافٹ ویر تیار کیا گیا ہے کہ بھلے ہی آپکے کمپیوٹر میں اُردو سافٹ ویر انسٹال نہ کیا گیا ہو مگر آپ ہم سے رابطہ اُردو میں تحریر کے ذریعہ کر سکتے ہیں۔ جب آپ ہمارا پیج کھولیں گے اور اُردو آپشن منتخب کریں گے تو خود بہ خود آپ کا کی بورڈ اُردو میں تبدیل ہو جائے گا۔ بی بی سی اُردو خدمات کی نمائندہ عالیہ نازکی نے کہا کہ ہم آپ کے شہر میں آپ کو بی بی سی اُردو ڈاٹ کام کے بارے میں جانکاری دینے آئے ہیں۔ اس کی تفصیلات بتاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ بی بی سی اُردو ڈاٹ کام سے رابطہ کرنا بہت ہی آسان ہے۔ آپ ہمیں اپنے تجزیئے اور تبصرے بھیجئے ہم انہیں شامل کریں گے۔ تجزیئے اور تبصرے ایسے ہوں جن سے کسی کے جذبات و احساسات مجروح نہ ہوں کیونکہ بی بی سی ایک ایسا ادارہ ہے جو سماج کے ہر فرد کے جذبات و احساسات کا خیال رکھتا ہے۔ انہوں نے بی بی سی اُردو ڈاٹ کام کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اس 2 روزہ ورکشاپ میں بی بی سی کے نمائندے شکیل اختر، صلاح الدین، عمر فاروق، خدیجہ اور دوسرے بھی شریک تھے۔ بی بی سی کے نمائندوں کے اس وفد نے مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کے میڈیا سنٹر کا بھی دورہ کیا جہاں صدر شعبہ جرنلزم احتشام احمد خاں نے انہیں میڈیا سنٹر کی کارکردگی سے واقف کرایا۔ بی بی سی وفد نے میڈیا سنٹر کے معائنہ کے بعد یونیورسٹی میں ماس کمیونی کیشن کورس کو اُردو زبان میں پڑھانے پر ارباب یونیورسٹی کی بے حد ستائش کی۔

سب چھوڑ، ایمان سے رشتہ جوڑ: مہیش بھٹ

شعبہ ترسیل عامہ وصحافت میں ''ہندوستانی سینما، ہمارے معاشرہ کا آئینہ'' کے موضوع پر ممتاز فلم ساز کا توسیعی لکچر

ریاض الحق

حیدرآباد۔مشہور بالی ووڈ فلم ساز وہدایت کار اور سماجی مصلح مہیش بھٹ نے کہا کہ یہ ہندتوا کا ملک نہیں بلکہ یہ ہمارا ملک ہے۔ ہم سب کا ملک ہے۔مسلمانوں کو احساس کمتری سے دامن بچاتے ہوئے ایمان سے رشتہ جوڑ کر اور ملک کے سیکولر ہندوؤں کے ساتھ مل کر فرقہ پرست طاقتوں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔مہیش بھٹ نے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کی جانب سے منعقدہ ایک پروگرام میں توسیعی لکچر دیتے ہوئے ان خیالات کا اظہار کیا۔مہیش بھٹ نے سامعین کو یہ کہتے ہوئے حیرت زدہ کردیا کہ آج مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں، جس سے مجھے اختلاف نہیں، لیکن سب سے بڑی وجہ مسلمانوں کا ایمان سے رشتہ ٹوٹ جانا ہے، اگر اس ملک کے 20 کروڑ مسلمان ایمان پر جم کر اسلام پر عمل کرنے لگیں تو ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا ان کے قدموں میں جھک جائے گی۔انہوں نے کہا کہ ''میری ایک آنکھ مسلمان ہے تو دوسری آنکھ ہندو ہے۔میرے اندر محرم کا ماتم بھی ہے اور گنپتی کے نعرے بھی''۔ مسلمانوں کو خوفزدہ ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں، اس لئے کہ میری ماں کہا کرتی تھی کہ ''بیٹا جس دل میں غیر اللہ کا خوف اور دہشت ہو اس میں ایمان نہیں اور جو ڈر گیا وہ مسلمان نہیں''۔اس لئے کہ اسلام اور خوف ایسی متضاد چیزیں ہیں جو کبھی ایک جگہ جمع ہو ہی نہیں سکتیں۔میرے خیال میں مسلمانوں کے ہاں کچھ مرگیا ہے، کچھ کھوگیا ہے اگر وہ چیز دوبارہ زندہ ہو جائے تو مسلمانوں کے سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ایک بات ذہن نشین کرلیں کہ اب مسلمانوں کے مسائل کی یکسوئی کیلئے آسماں سے فرشتے اترنے والے نہیں، انہیں خود اپنے مسائل کے حل کے لئے آگے آنا ہوگا، کیوں کہ اب دہشت گردی کے خلاف جنگ، تعاقب کرتے ہوئے بغداد و کابل کے بعد ممبئی پہنچ چکی ہے۔مسلمانوں کو بیدار ہونے کی ضرورت ہے اور قول وفعل کا تضاد ختم کرکے عملی اقدام کرنے کی ضرورت ہے۔سیکولر ہندوؤں کے ساتھ مل کر مودی اور بال ٹھاکرے کو شکست دینے کیلئے مضبوط لائحہ عمل کی ضرورت ہے۔تقریب کے مہمان اعزازی ظفر آغا نے کہا کہ گذشتہ دو دہائیوں سے ہندوستانی ذرائع ابلاغ، مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے اور اکثریت کا دشمن قرار دینے کیلئے زمین وآسمان ایک کیا ہوا ہے۔سچ تو یہ ہے کہ یہ دور ہندوستانی میڈیا کا تاریک ترین دور ہے 1990ء تک ہندوستانی میڈیا ہر قسم کے فرقہ وارانہ جراثیم سے پاک تھا، لیکن اس کے بعد جب وشواناتھ پرتاپ سنگھ نے منڈل کمیشن کی سفارشات پر عمل کرنے کا اعلان کیا تو یہ اعلان فرقہ پرست عناصر کیلئے ناقابل ہضم تھا اور یہ سوچ کر ان کی نیندیں حرام ہورہی تھیں کہ اب لالو پرساد، ملائم سنگھ، مایاوتی اور وی پی سنگھ ہم پر حکومت کریں گے۔فرقہ پرست عناصر کے ساتھ ساتھ میڈیا نے بھی اس ذہنیت کو فروغ دینے میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔اس اعلان سے ہندوسماج بری طرح منتشر ہوگیا۔لہٰذا فرقہ پرست طاقتوں نے اپنی قیادت وکرسی بچانے اور ہندوسماج کو منتشر ہونے سے روکنے کیلئے ''ہندتوا'' کا نعرہ لگانا شروع کیا تاکہ مسلمانوں کا خوف نچلے طبقات کے دلوں میں پیدا کرکے ہندوسماج کو بکھرنے سے اور پسماندہ طبقات کو دہلی کے اقتدار تک پہنچنے سے روکا جاسکے۔انہوں نے کہا کہ ''ہندتوا'' کوئی نظریہ نہیں بلکہ ملک کے پسماندہ طبقات اور دلت برادری کو اقتدار میں آنے سے روکنے کی ایک حکمت عملی ہے، جس کے ذریعہ ہندو مسلم نفاق کا بیج بو کر نچلے طبقات کو مسلمانوں سے لڑا دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمان ہندوستان کیلئے کبھی بھی خطرہ نہیں تھا اور اب بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ سچر کمیٹی کی روشنی میں مسلمان ہندوستان کے نئے ''دلت'' کا نام ہے جو ہر اعتبار سے پسماندہ ہے۔ وہ اپنے تحفظ کا بھی اہل نہیں تو بھلا اکثریت کیلئے خطرہ کیسے ہوسکتا ہے۔انہوں نے کہا کہ ہندوستان کے مزاج میں سیکولرازم کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور یہاں کی گنگا جمنی تہذیب کی سرزمین پر ہندوتوا کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔انہوں نے یہ امید جتائی کہ آئندہ اسمبلی الیکشن میں بی جے پی 145 ارکان پارلیمنٹ کی تعداد سے شائد ہی آگے بڑھے گی۔ نریندر مودی نفرت کی سیاست کرکے گجرات میں تو الیکشن جیت سکتا ہے لیکن اسی نریندر مودی کو سننے کیلئے دہلی میں 500 لوگ بھی نہیں آئے۔نوحہ ماتم کرنے سے مسلمانوں کا مقدر بدلنے والا نہیں بلکہ حکمت عملی تیار کرکے عملی پیش قدمی کی ضرورت ہے۔آج 20 کروڑ مسلمان میڈیا کی شکایت کرتے نظر آتے ہیں لیکن کبھی اپنا اخبار نکالنے کے بارے میں فکر کیوں نہیں کرتے۔مسلمان کب تک اپنی لڑائی کیلئے دوسروں کے سہارے کے محتاج رہیں گے؟ کب ان کی سیاسی حیثیت مستحکم ہوگی جس کی بنیاد پر سیکولر ہندوؤں کے ساتھ مل کر اپنی سیاسی لڑائی لڑیں گے۔آخر میں انہوں نے علماء پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ''مسلمان اپنی ہر طرح کی لیڈرشپ علماء کو دیکر غلطی کرتے ہیں جبکہ علماء دنیاوی قیادت کے کسی بھی طرح اہل نہیں ہیں''۔ پروگرام کی صدارت پرو وائس چانسلر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی پروفیسر کے آر اقبال احمد نے کی جبکہ نظامت پبلک ریلیشن آفیسر (پی آر او) عابد عبدالواسع نے انجام دی۔صدر شعبہ ترسیل عامہ وصحافت احتشام احمد خان نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔رجسٹرار پی پرکاش نے شکریہ ادا کیا۔

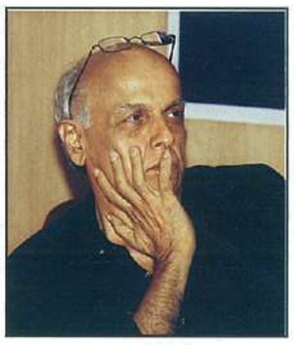

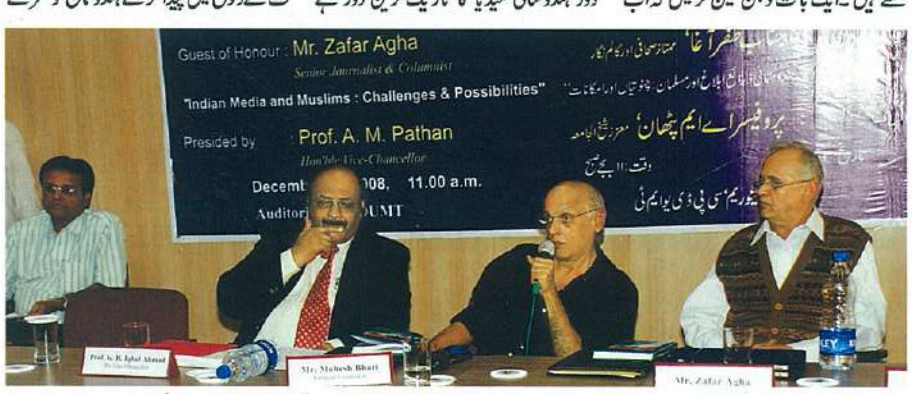

شعبہ ترسیل عامہ وصحافت میں ''ہندوستانی سینما، ہمارے معاشرہ کا آئینہ دار'' کے موضوع پر ممتاز فلم ساز مہیش بھٹ توسیعی لکچر دیتے ہوئے۔ تصویر میں ممتاز صحافی ظفر آغا، انچارج وائس چانسلر اردو یونیورسٹی پروفیسر کے آر اقبال احمد اور دوسرے دیکھے جاسکتے ہیں۔

طلبا کا دورہ ای ٹی وی اردو

عائشہ سلطانہ

ہر دور میں زبان اور اہل زبان کے تقاضے مختلف ہوئے ہیں۔ان کی تکمیل کو مقصد اور مشن کے طور پر آگے بڑھانا اردو صحافت کا اولین تقاضہ ہے۔ظاہر ہے کہ اخبارات یا ٹی وی چینل محض خبروں کی ترسیل کا ایک ذریعہ نہیں ہیں بلکہ ان کے ذریعہ ناظرین اور قارئین کی رہنمائی اور فکر سازی بھی کی جاتی ہے۔آزادی کے بعد اردو صحافت کا المیہ رہا ہے کہ وہ ایسے کسی قومی اور اجتماعی نصب العین کے تعین اور حصول میں ناکام رہی ہے۔وسائل کی کمی، سرکاری سرپرستی اور عوامی پذیرائی کے فقدان نے اس مسئلہ کو سنگین بنادیا۔اب جبکہ حالات بدل رہے ہیں ہمیں اپنے انداز فکر اور کام کرنے کے طریقے کو بھی بدلنا ہوگا۔اس بدلاؤ کا سب سے اہم مرکز ای

ٹی وی اردو چینل ہے جس کا مشاہدہ کرنے کے بعد ہمیں احساس ہوا کہ زبانی ہمدردی اور خدمت کے دعوؤں سے اردو صحافت کو بالاتر ہونا ہوگا تاکہ خدا کی دی ہوئی امانت سے صحیح استفادہ کیا جاسکے۔صحافت کو انفرادی اور تجارتی مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنانے کے بجائے اجتماعی فلاح و بہبود کا وسیلہ بنایا جائے۔مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ماس کمیونی کیشن اینڈ جرنلزم کے طالب علم کی حیثیت سے ای ٹی وی اردو کا تعلیمی دورہ کیا تو ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اردو زبان اور صحافت کے چراغ کو زمانے کی تیز تند آندھیوں میں روشن رکھنے کا سہرا بہت حد تک ان ہی جیسے اداروں کے سر ہے۔اردو یونیورسٹی کے شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کی طرف سے ہم طالب علموں کو ای ٹی وی اردو کے اس معلومات سے پُر دورہ نے ہمیں بہت سی چیزوں سے روشناس کرایا جس سے ہم ناواقف تھے۔اردو زبان پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ اُردو مسلمانوں کی زبان ہے لیکن ای ٹی وی اردو کے مالک غیر اردو داں ہوتے ہوئے اردو ادب سے گہرا شغف رکھتے ہیں اور اپنی ذمہ داری کو بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ای ٹی وی مختلف زبانوں میں 12 چینلوں کے ذریعہ خدمت انجام دے رہا ہے جس میں اردو، ہندی، گجراتی، بنگلہ، تلگو اور دیگر زبانیں شامل ہیں۔اس دورہ میں طلباء نے اس چینل سے جڑے کئی لوگوں سے ملاقات کی اور کچھ تکنیکی معلومات بھی حاصل کیں۔طلباء کو بتایا گیا کہ ڈیسک پر خبریں کس طرح جمع کی جاتی ہیں اور خبروں کو ایڈیٹ کرنے کا طریقہ کیا ہے۔دورہ میں طلباء کو راموجی فلم سٹی بھی دیکھنے کا موقع ملا جس کے دوران طلباء نے بہترین تجربہ حاصل کیا۔

اظہارِ خیال، شہریوں کا بنیادی حق: ظفر آغا
ہندوستان 'اُن' کا نہیں سب کا ملک ہے: مہیش بھٹ

محمد فخر الدین

حیدرآباد۔14 اکتوبر۔مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کے زیر اہتمام منعقدہ توسیعی لکچر کے بعد ممتاز صحافی ظفر آغا اور ممتاز فلم ساز مہیش بھٹ نے شعبہ کے طلبا سے ملاقات کی۔انہوں نے اس موقع پر طلبا کے سوالات کے اطمینان بخش جوابات دیئے۔ظفر آغا نے طلبا کو مشورہ دیا کہ وہ بلاخوف وخطر اپنے خیالات کا اظہار کریں۔انہوں نے کہا کہ اظہار خیال، ہر فرد کا بنیادی حق ہے۔کوئی مملکت یا حکومت کسی شہری سے اظہار حق نہیں چھین سکتی۔ظفر آغا نے طلبا سے کہا کہ اردو زبان میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے نمایاں مقام حاصل کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ زبان ترقی میں رکاوٹ ثابت نہیں ہوتی۔کامیابی، زبان کی بنیاد پر نہیں بلکہ قابلیت اور صلاحیتوں کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے۔مہیش بھٹ نے کہا کہ ہندوستانی فلمی صنعت میں ہونہار نوجوانوں کی کافی ضرورت ہے۔اگر آپ میں کوئی ایسا ہے جو فلمی صنعت کے تقاضے پورا کرسکتا ہے تو وہ یقیناً فلمی دنیا میں منفرد مقام بنا سکتا ہے۔انہوں نے زور دے کر کہا کہ ہندوستان کسی ایک مذہب کے ماننے والوں کے لئے مخصوص نہیں ہے۔یہ ایک جمہوری ملک ہے اور ہر ایک کو یہاں مساوی مواقع دستیاب ہیں۔انہوں نے مزید کہا کہ سب سے پہلے اپنے اندر کے احساسِ کمتری کو باہر نکالیں کہ ہندوستان ''اُن'' کا ملک ہے اور ہمیں ان کے رحم وکرم پر رہنا ہوگا۔ایسا سوچنا ہی بالکل غلط ہے۔سب کو مل کر اس کی ترقی کی جستجو کرنی چاہئے۔ ذہانت یا ذہنی صلاحیتیں کسی کی میراث نہیں ہوتیں۔یہ خوبیاں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، امیر، غریب، کالا، گورا، خوبصورت، بدصورت اور مرد یا عورت میں یکساں ہوتی ہیں۔ذہانت وصلاحیت کا استعمال انسان کو اس کی معراج تک پہنچادیتا ہے۔صرف شرط یہ ہے کہ آدمی ان کا صحیح اور بروقت استعمال کرے اور دستیاب مواقع سے بھرپور فائدہ اٹھائے۔مہیش بھٹ شعبہ کے طلبا سے اس طرح گھل مل گئے جیسے وہ بھی ایک طالب علم ہی ہوں۔ اس موقع پر پرووائس چانسلر اردو یونیورسٹی کے آر اقبال احمد، صدر شعبہ ترسیل عامہ وصحافت احتشام احمد خان اور اسسٹنٹ پروفیسرس محمد فریاد، شہناز بشیر اور سید حسین عباس رضوی ودیگر موجود تھے۔

میڈیا، جمہوریت کا چوتھا ستون
............رام شرن جوشی

ظفراللہ

حیدرآباد۔آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کی جانب سے ممتاز صحافی رام شرن جوشی کو خصوصی لکچر کے لئے مدعو کیا گیا تاکہ وہ صحافتی تجربہ اور خیالات سے مستقبل کے صحافیوں کی تربیت کرسکیں۔رام شرن جوشی نے طلبا سے اپنے خطاب میں صحافت کی تاریخ، صحافت سے جڑے مسائل اور صحافت کے مستقبل پر روشنی ڈالی۔ اس کے علاوہ انہوں نے طلبا کی جانب سے پوچھے گئے سوالات کا تسلی بخش جواب بھی دیا۔اپنے خطاب میں انہوں نے صحافت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ میڈیا جمہوریت کا چوتھا ستون کہلاتا ہے جس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ جمہوریت کے قیام میں میڈیا کا رول کس قدر اہم ہے۔انہوں نے کہا کہ ایک صحافی کو چاہئے کہ وہ سب سے پہلے مساوات کا درس پڑھے تاکہ وہ جب عملی میدان میں اترے تو غیر جانبداری سے حقائق کو منظر عام پر لائے۔اسی وقت وہ ایک کامیاب صحافی بن سکتا ہے جب وہ سماج کے ہر طبقہ اور ہر شہری کے مسائل کو من وعن اور بے لوث طریقہ سے اپنے اخبار یا ٹی وی کے ذریعہ حکومت کے علم میں لائے۔طلبا کے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اردو کسی ایک مخصوص فرقہ یا طبقہ کی زبان نہیں ہے بلکہ پورے ہندوستان کی زبان ہے۔اسے کسی ایک فرقہ کی زبان قرار دینا احمقانہ سوچ ہے۔اردو کا کس طرح بول بالا ہو؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے رام شرن جوشی نے کہا کہ اردو کا مستقبل اہل اردو کے ہاتھ میں ہے۔ حکومت اپنی ذمہ داری پوری کررہی ہے اور اب اردو والوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس شجر کو جس کی آبیاری مولوی عبدالحق اور سرسید جیسے بے لوث رہنماؤں نے کی تھی، بے جان ہونے سے بچائیں۔انہوں نے کہا کہ اس کی سب سے زیادہ ذمہ داری شعبہ صحافت سے وابستہ طلبا پر عائد ہوتی ہے۔ شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کے لکچرار محمد فریاد نے شکریہ ادا کیا۔

صحافی اور ادیب کا حساس و دور اندیش ہونا ضروری

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے صدر شعبہ ترسیل عامہ شافع قدوائی اردو یونیورسٹی میں۔طلبا سے خطاب

صدر شعبہ ترسیل عامہ وصحافت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پروفیسر شافع قدوائی، اردو یونیورسٹی کے شعبہ ترسیل عامہ وصحافت میں طلبا سے خطاب کرتے ہوئے۔ تصویر میں اسسٹنٹ پروفیسرس محمد فریاد، سید عباس حسین اور طلبا دیکھے جاسکتے ہیں۔

امتیاز وانی

حیدرآباد۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کے زیر اہتمام ایک خصوصی گیسٹ لکچر منعقد کیا گیا جس میں علی گڑھ مسلم یونیوسٹی کے شعبہ ترسیل وعامہ وصحافت کے صدر شافع قدوائی نے بطور مہمان خصوصی شرکت کی۔انہوں نے ''ادب اور صحافت کے درمیان تعلقات'' کے موضوع پر تقریباً دو گھنٹے لکچر دیا۔طلباء سے اپنے خطاب میں انہوں نے کہا کہ صحافت کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔اس کی اہمیت میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کچھ نقطہ نظر سے صحافت، ادب سے الگ نظر آتی ہے اور کچھ نقطہ نظر سے صحافت اور ادب کا رشتہ بہت گہرا ہے۔صحافت ادب سے اس نقطہ نظر سے کچھ الگ نظر آتی ہے کہ خبروں کی زندگی بہت کم ہوتی ہے، چاہے اس کا تعلق پرنٹ میڈیا سے ہو یا الکٹرانک میڈیا سے۔صحافت ایک وقتی اور لمحاتی چیز ہے۔کوئی بھی خبر اپنے آپ میں کتنی ہی اہمیت کی حامل کیوں نہ ہو دوسرے یا تیسرے دن اس کی وقعت اور اہمیت میں کمی آجاتی ہے۔اسی سبب قاری دوسرے یا تیسرے دن کی خبر پڑھنا پسند نہیں کرتا، جبکہ ادب میں وقت کی کوئی قید نہیں پائی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا غالب، علامہ اقبال اور ان جیسے دیگر ادباء کے کلام کو آج بھی لوگ شوق سے پڑھنا پسند کرتے ہیں۔انھوں نے مزید اس تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ معنی اور مفہوم کے اعتبار سے بھی دونوں کے درمیان واضح فرق پایا جاتا ہے۔صحافت کے میدان میں الفاظ اور جملے ایسے استعمال کئے جاتے ہیں جس سے بات سامعین پر بالکل واضح ہوجائے اور سامعین کے ذہن میں کوئی اشکال باقی نہ رہ جائے، لیکن ادب میں معاملہ ایسا نہیں ہوتا۔ادب میں بیک وقت ایک ہی جملہ کے کئی معنی برآمد ہوسکتے ہیں یا ہوجاتے ہیں۔اس تعلق سے انھوں نے یہ شعر پڑھا کہ ؎

جاتے ہوئے ہر چیز یہیں چھوڑ گیا تھا
لوٹا ہوں تو اِک دھوپ کا ٹکڑا نہیں ملتا

یہاں دھوپ سے مراد ''روشنی'' ہے اور اگر یہی مفہوم ایک صحافی کو ادا کرنا ہوتا تو وہ اس طرح کہتا کہ ''لوٹا ہوں تو کچھ نہیں ملتا''۔انھوں نے کہا کہ اس طرح کا بنیادی فرق صحافت اور ادب کے درمیان ہے لیکن دوسری طرف صحافی اور ادیب کے مابین کچھ مساوات بھی پائے جاتے ہیں۔جیسے دونوں کا حساس اور دور اندیش ہونا ضروری ہے۔ دونوں کے اندر تخلیقی صلاحیت کا ہونا ضروری ہے۔انھوں نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ موجودہ زمانے میں میڈیا کا کردار ادب کے مقابلہ میں زیادہ اثر انداز ہوگیا ہے۔اسی میڈیا کی بدولت پوری دنیا ایک گاؤں جیسی محسوس ہونے لگی ہے جسے ہم نے گلوبلائزیشن کا نام دے دیا ہے۔زمانہ کی چال اتنی تیز رفتاری سے بدلی ہے کہ اگر ہم نے عصری سہولتوں اور ٹکنالوجیوں کا استعمال کرتے ہوئے دیگر قوموں کے شانہ بشانہ چلنے کی کوشش نہ کی ہم پسماندہ رہ جائیں گے۔انہوں نے طلبا کو مشورہ دیا کہ وہ میڈیا کے میدان میں کچھ کر دکھانے کے لئے کمربستہ ہوجائیں کیونکہ یہ شعبہ جتنی تیزی کے ساتھ پھل اور پھول رہا ہے اس کی مثال کسی دوسرے شعبہ سے نہیں دی جاسکتی۔لکچر کے اختتام پر طلباء نے کچھ سوالات بھی کئے جس کا انہوں نے تشفی بخش جواب دیا۔

مانو کا شعبہ ترسیل عامہ وصحافت ترقی کی راہ پر

ملک کی سنٹرل یونیورسٹیوں کے مقابلہ بہترین انفراسٹرکچر دستیاب: پروفیسر کے آر اقبال احمد

محمد موسیٰ

حیدرآباد۔24 جولائی۔مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا شعبہ ترسیل عامہ وصحافت ملک کی دیگر سنٹرل یونیورسٹیوں کے شعبوں کی بہ نسبت جدید ترین انفراسٹرکچر سہولتوں سے آراستہ ہے جو یہاں پر تعلیم حاصل کررہے اُردو طلباء کو عصری تقاضوں کے مطابق تربیت دے کر اُردو صحافت میں قابل وتربیت یافتہ قلم کاروں اور صحافیوں کو تیار کررہا ہے۔اردو زبان کو پروان چڑھانے حکومت ہند کی قابل ستائش کوششوں کا پہلا قدم ہے۔عصر حاضر میں اُردو صحافت اور زبان وادب کے ناگفتہ بہ حالات کو سدھارنے کے لئے اُٹھائے جارہے اقدامات بنیادی حکمت عملی اور مذکورہ زبان وادب کے تئیں حکومت کے ہمدردانہ رویہ کی عکاسی کرتے ہیں۔مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا قیام ان ہی بنیادی اغراض ومقاصد کی تکمیل میں معاون ثابت ہوں گے۔ان خیالات کا اظہار پرووائس چانسلر اردو یونیورسٹی پروفیسر کے آر اقبال احمد نے مانو کے شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کے زیر اہتمام ''ہندوستانی سینما، ہمارے معاشرہ کا آئینہ دار'' اور ''موجودہ میڈیا کو درپیش چیلنجز اور امکانات'' کے موضوع پر منعقدہ سمینار سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ ہندوستان کے مشہور ومعروف فلم ساز مہیش بھٹ اور بے باک وما یہ ناز صحافی وقلم کار ظفر آغا کو ان موضوعات پر خطاب کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔پروفیسر اقبال احمد نے سلسلہ خطاب جاری رکھتے ہوئے صدر شعبہ ترسیل عامہ احتشام احمد خان کی شعبہ کی ترقی کے لئے اقدامات وکوششوں کی ستائش کی۔انہوں نے احتشام احمد خان کی خدمات پر خوشی واطمینان کا اظہار کرتے ہو کہا کہ یہ شعبہ ترقی کے ابتدائی مرحلہ میں ہے لیکن اس مختصر مدت میں صدر شعبہ کی بے لوث خدمت کی بدولت شعبہ نے جو ترقی کی ہے اس کی بدولت یونیورسٹی نے ملک کی دیگر یونیورسیٹوں کے مقابلہ میں امتیازی مقام حاصل کرلیا ہے جو ہمارے لئے باعث فخر ہے۔واضح رہے کہ مذکورہ شعبہ میں زیر تعلیم طلباء کو عصری تربیت دلانے کی خاطر نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ سے جڑے ہندوستان کے ممتاز صحافیوں کے ''گیسٹ لکچرس'' منعقد کرنے کے علاوہ متعدد ذرائع ابلاغ وصحافت سے وابستہ مراکز کا تعلیمی دورہ کرایا جاتا ہے جہاں طلباء کو عملی طور پر مشاہدہ کرنے کا مواقع فراہم کیا جاتا ہے۔نیز طلباء کی خاطر کمپیوٹر وانٹرنیٹ کی سہولت بھی ہمہ وقت دستیاب ہے۔طلباء نے بھی انتہائی اطمینان ومسرت کا اظہار کرتے ہوئے صدر شعبہ احتشام احمد خان کی ناقابل فراموش کارکردگی کی ستائش کرتے ہوئے ان سے اظہار تشکر کیا ہے۔

"آج ہم اپنی ناچاقی اور نا اتفاقی کی وجہ سے دھتکار دئے گئے لیکن ہمیں اس کا احساس نہیں ہوا۔ کبھی ہم نے اپنے اعمال و کردار پر نگاہ نہیں کی .... آج اگر فرزندانِ ہندوستان کی گردنوں میں طوق ہائے غلامی پڑے ہوئے ہیں تو حیرت کیوں؟ اگر آریہ ورت کے سپوت استبدادیت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں تو تعجب کیا؟ ہر وہ قوم مٹ جایا کرتی ہے جو تاریخ سے سبق نہیں لیتی"۔(مولانا آزادؒ)

"ہم ایک ہندوستانی کی حیثیت سے "اتحاد اقوام" کی مطمحِ نظر کو یقینا اچھا سمجھتے ہیں۔ ہمارے وطن کیلئے ایک ایسی متحدہ وطنیت اور قومیت کی ضرورت ہے جو ایک طرف عہد قدیم کی ہندؤوں کی صوبہ پرستی سے بالا تر ہو تو دوسری طرف مسلمانوں کے ایک بڑے آفاق گیر اور وسیع وطن کے تخیل سے متصادم نہ ہو"۔(مولانا آزادؒ)

مولانا ابوالکلام آزاد کا نظریہ تعلیم

افتخار عالم

تضاد شعر و شریعت کو کردیا ہم رنگ
بلند کتنا مذاق نظر ملا تھا تجھے

مولانا ابوالکلام آزاد، یہ ایسا نام ہے جو شاید کسی تعارف کا محتاج ہو۔ یہ وہ شخصیت ہے جسے آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم ہونے کا شرف حاصل ہے اور یہی وہ شخصیت ہے جس کے متعلق ہمایوں کبیر کچھ یوں رقم طراز ہیں۔

''مولانا ابوالکلام آزاد جنہوں نے ٹیگور اور گاندھی کے ساتھ ہندوستان کے ایک قومی نظام تعلیم کی تشکیل میں مدد دی۔ ہندوستان کی تقسیم، مولانا ابوالکلام آزاد کے لئے بہت بڑا صدمہ تھا۔ ان کے خواب چکنا چور ہو گئے اور دو قوموں کے جس نظریہ سے وہ عمر کے بڑے حصے میں لڑتے رہے اسے تسلیم کرلیا گیا۔ لیکن اپنی عام اداسی اور افسردگی کے باوجود مولانا نے آزادی کے بعد بھی وہ کارنامے انجام دیئے جسے رہتی دنیا تک یاد کیا جاتا رہے گا۔

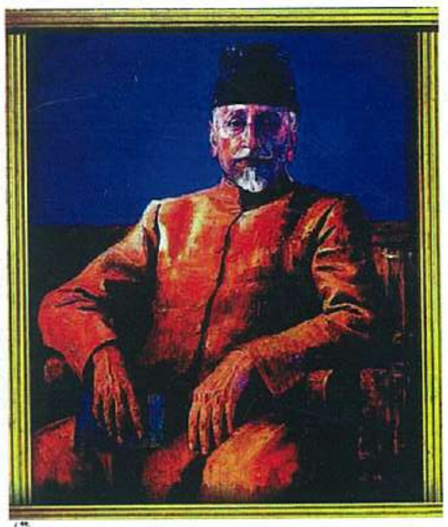

خیر یہ تو موضوع سے متعلق ضمنی باتیں تھیں۔ موضوع کی وضاحت کے لئے دو باتیں پیش کرنا چاہوں گا جس سے مولانا کے تعلیمی نظریہ کا بخوبی اندازہ ہوجائے گا۔

پہلی بات مسلمانوں کے دینی مدارس، مکاتب اور دارالعلوم کے سربراہوں کی وہ کانفرنس جوانہوں نے 22 فروری 1947ء کو لکھنو میں طلب کی جس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ ان درسگاہوں میں پڑھائے جانے والے دینی نصاب کو جدید بنایا جائے جس کا مقصد یہ تھا کہ آج سائنس اور ٹکنالوجی، فلسفہ اور سماجی علوم میں جو ترقیاں ہورہی ہیں وہ اس نصاب میں شامل ہوں تاکہ دینی اور دنیاوی فکر کا سنگم ہوجائے۔ اس کانفرنس سے مولانا کے اس نظریہ کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کلاسیکی، مشرقی، دینی، مغربی اور جدید علوم کو ملا کر ایک علمی تسلسل کو تعلیم کے لئے ضروری سمجھتے تھے اور ایسے جدید نصاب کی تشکیل چاہتے تھے جس میں صنعتی انقلاب کے نتیجہ میں ساری دنیا میں برپا ہونے والی تبدیلیوں سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت ہو۔

دوسری بات رادھا کرشنن کی مرتبہ کتاب ''مشرق و مغرب میں فلسفہ کی تاریخ'' جس کا خاصہ طویل دیباچہ مولانا نے لکھا تھا جس میں اس بات کی وضاحت کی تھی کہ یہاں صرف یہی نکتہ نظر کارفرما نہیں ہے کہ مشرق اور مغرب کی مشترک آگہی سے صحیح علم ہوتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ فرد اور معاشرہ کے ہمہ جہت ارتقاء کا تصور بھی کارفرما ہے۔ ان کے ذہن میں یہ بات صاف تھی کہ تعلیم محض کاروباری یا معاشی مسئلہ نہیں ہے کہ صرف دو حرف پڑھ کر آدمی روزی روٹی کمانے لگے۔ یہ تو محض اس کا ایک رخ ہے۔ تعلیم کا اصل مقصد انسان کی تعمیر نو اور اس کی شخصیت کی تعمیر ہے۔ مولانا

آزاد نے جب وزارت تعلیم کی باگ ڈور سنبھالی تو صورت حال یہ تھی کہ ملک تقسیم ہوچکا تھا۔ گاندھی جی بھی زندہ تھے اور جواہر لعل نہرو ملک کے پہلے وزیراعظم۔ گاندھی جی ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔ ان کا واضح نظریہ تعلیم تھا کہ ملک کو مشینوں کی حکومت کی طرف لے جانا چاہئے جبکہ جواہر لعل نہرو بڑی صنعتوں کے قیام کے حق میں تھے۔ مولانا آزاد کی تعلیمی پالیسی نے بھی اسی نظریہ کا ساتھ دیا۔ مولانا آزاد جس تعلیمی پالیسی کے خواہاں تھے ان کے نزدیک اس کی بنیاد انسان دوستی اور آزاد تعلیم پر تھی جو سائنٹفک بنیادوں پر قائم ہو۔ ایک بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ مولانا کے بعد وزارت تعلیم ان جیسی شخصیت حاصل نہ کرسکی۔ اس کے علاوہ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مولانا آزاد کے متعین وہی راستے اور اقدامات ہی اس وقت سے لے کر آج تک قائم اور جاری ہیں۔ ہندوستان میں تعلیمی نظام کا پورا ڈھانچہ مولانا آزاد کا ہی بنایا ہوا ہے۔

مندرجہ ذیل میں ان ڈھانچوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ سائنسی تعلیم و ترقی کے لئے سروپ بھٹناگر جیسے سائنسدان کی سربراہی میں سائنس کے اعلی تحقیقاتی ادارہ کا قیام

☆ ایٹمی ترقی کے ادارہ کا قیام۔

☆ انڈین کونسل فار اگریکلچر اینڈ سائنٹفک ریسرچ۔

☆ انڈین کونسل فار اگریکلچرل ریسرچ، دیہی ترقی کے لئے۔

☆ انڈین کونسل فار میڈیکل ریسرچ۔

گویا ہندوستان میں اعلی ترین سائنسی ریسرچ کی داغ بیل پڑگئی۔ فنون لطیفہ اور ادبیات کے لئے مولانا آزاد نے تقریباً تین اکیڈیمیوں کی بنیاد ڈالی۔

☆ ساہتیہ اکیڈیمی۔

☆ سنگیت ناٹک اکیڈیمی۔

☆ للت کلا اکیڈیمی۔

ان تینوں اکیڈیمیوں کے سربراہ مولانا خود تھے۔ مولانا آزاد کے تعلیمی نقطہ نظر کا ایک رخ اعلی تعلیم کا فروغ تھا۔ چنانچہ اسی مقصد سے یونیورسٹی گرانٹ کمیشن وجود میں آیا جس نے ملک بھر میں یونیورسٹیوں کا جال بچھادیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ مولانا آزاد اعلی تعلیم کے خواہاں تھے جس کے لئے انہوں نے ملک کے تعلیمی نظام کی ایسی بنیادیں استوار کیں جن پر چل کر آج ملک اس منزل پر پہنچا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا شعبہ تعلقات عامہ

محمد جہانگیر عالم

شعبہ تعلقات عامہ کسی بھی ادارہ کی وہ شبیہ ہوتی ہے جسے دیکھ کر لوگ اس ادارہ کو اپناتے یا رد کرتے ہیں۔ یہ شعبہ اس چہرے کی مانند ہے جو جتنا خوبصورت ہوگا، لوگ اتنا ہی متاثر ہوں گے اور اس کی طرف دیکھیں گے۔ یعنی تعلقات عامہ کا کامیاب شعبہ وہی ہوتا ہے جو منظم انداز میں کام کرے اور حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے قدم اٹھائے۔ حالات معمول کے مطابق ہوں تو پھر میڈیا اور عوام کے درمیان رابطہ کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی امیج بہتر بنائے۔ حالات ہنگامی ہوں تو بھی ان سے اچھی طرح نمٹا جائے۔ سنگین حالات میں ادارہ کی شبیہ کو پہنچنے والے نقصان پر Damage Control اور Follow Up کرنا شعبہ تعلقات عامہ کا اولین فریضہ اور اس کی کامیابی کا عین ثبوت ہے۔

کسی بھی منظم ادارہ کے شعبہ تعلقات عامہ کی طرح مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا بھی شعبہ تعلقات عامہ ہے۔ اس شعبہ میں تین افراد کام کررہے ہیں جن کے نام، عہدے اور ذمہ داریاں درج ذیل ہیں۔

1۔ عابد عبدالواسع (پبلک ریلیشنز آفیسر)

2۔ اطہر احمد صدیقی (آفس اسسٹنٹ) 3۔ محمد عبدالرزاق (اٹینڈر)

ایک تعلقات عامہ آفیسر ہونے کی حیثیت سے شعبہ میں انجام دیا جانے والا ہر کام ان ہی کی نگرانی میں یا ان کے ذریعہ ہی انجام پاتا ہے۔ ان کا رول اس شعبہ میں سب سے نمایاں اور اہمیت کا حامل ہے۔ ان کا سب سے پہلا اور اہم کام میڈیا سے اچھا رشتہ قائم کرنا اور پھر اسے برقرار رکھنا ہے۔ حیدرآباد کے علاوہ دیگر ریاستوں کے اخبارات اور ٹی وی چینلوں کے ساتھ تعلقات بنانا۔ چونکہ میڈیا ہی تعلقات عامہ کا وہ سب سے بڑا ہتھیار ہے جس کے ذریعہ لوگوں تک پیغام پہنچایا جاتا ہے۔ یونیورسٹی میں داخلے، تقاریب اور یونیورسٹی کے خصوصی دنوں کے موقع پر اخبارات میں پریس ریلیز بھیجنا، یونیورسٹی کے کسی خصوصی مہمان کو مدعو کرنے سے لے کر تقریب کے انعقاد تک کی تمام ذمہ داریاں، یونیورسٹی میں چلائے جارہے تمام تر کورسس کی تشہیر، مختلف اعلامیوں کو اشتہار کی صورت میں پریس میں بھیجنا، میڈیا میں یونیورسٹی کے متعلق کسی بھی منفی خبر کی وضاحت کرنا، فون کے ذریعہ معلومات حاصل کرنے والوں کو مکمل تفصیلات فراہم کرنا اور صبر و تحمل کے ساتھ ان کا جواب دینا اور یونیورسٹی اور لوگوں کے مابین رابطہ کا کام کرنا ان کے فرائض میں شامل ہے۔ بعض یونیورسٹیوں میں اشاعت کا علیحدہ شعبہ ہوتا ہے لیکن اردو یونیورسٹی میں اس شعبہ کی عدم موجودگی پر نشر و اشاعت کا سارا کام پبلک ریلیشنز آفیسر کے ذمہ ہے۔ تقاریب میں نظامت کے فرائض کی انجام دہی بھی پبلک ریلیشنز آفیسر ہی کرتے ہیں۔ یونیورسٹی کے تشہیری مواد جیسے کارڈس، ڈائری کیلنڈر وغیرہ کی طباعت اور تقسیم بھی اسی شعبہ کے ذمہ ہے۔

اردو یونیورسٹی کے شعبہ تعلقات عامہ میں پی آر او عابد عبدالواسع کے بعد دوسرا اہم رول اطہر احمد صدیقی کا ہے جو کلرک کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ کسی پریس ریلیز کو پی آر او کی نگرانی میں حتمی شکل دینے کا کام انہیں کا ہے۔ پی آر او جو الفاظ پریس ریلیز سے متعلق کہتے ہیں انہیں کمپیوٹر پر تحریری شکل دینا بھی ان ہی کا کام ہے۔ شعبہ کی تمام فائلوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی ان ہی پر عائد ہوتی ہے۔

صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو سب سے مشکل کام اٹینڈر کا ہوتا ہے۔ انہیں دن بھر اپنے آفیسر کی ہدایات پر عمل کرنے کیلئے بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے۔ انہیں ایک خادم کی طرح دن بھر کھڑا رہنا پڑتا ہے۔ شعبہ تعلقات عامہ کے اٹینڈر محمد عبدالرزارق بھی اپنے آفیسر کا حکم بجالانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے اور بروقت ہر ہدایت کی تکمیل کرتے ہوئے شعبہ کے کام کاج کی رفتار کو برقرار رکھنے میں بڑی مدد کرتے ہیں۔

مانو انجینئرنگ سیکشن، کیمپس ڈیولپمنٹ میں مصروف

محمد افسر

حیدرآباد۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی میں واقع انجینئرنگ سیکشن کا کام اب تک بہت عمدہ رہا ہے۔ اپنے قیام کے ساتھ ہی اس شعبہ نے اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی سمجھا اور جو بھی کام اس کے سپرد کیا گیا اُس کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا۔ لیکچر ہال کامپلکس کے پیچھے چھوٹی سی عمارت کو دیکھ کر کوئی یہ اندازہ نہیں کرسکتا کہ اس عمارت نے اردو یونیورسٹی کے انفراسٹرکچر کی ترقی و فروغ میں کس قدر اہم رول ادا کیا ہے۔ شعبہ کے سِول انجینئر رانتصار الحق نے بتایا کہ ہمارے پاس 12 افراد پر مشتمل عملہ ہے جو بہت ہی اہم ذمہ داریوں کو نبھارہا ہے۔ پوری یونیورسٹی میں جتنے بھی تعمیراتی کام ہوتے ہیں وہ یہی شعبہ انجام دیتا ہے۔ اُنہوں نے بتایا کہ یو جی سی سے طے شدہ پروگرام ہمارے پاس آتے ہیں اور ہم یونیورسٹی کے دیگر اعلی عہدیداروں سے مشاورت کے بعد ٹنڈر طلب کرتے ہیں۔ ٹنڈر وغیرہ کی کارروائی ہوجانے کے بعد جب تعمیراتی کام شروع ہوتا ہے تب بھی ہماری ذمہ داریاں ختم نہیں ہوتیں بلکہ وقتاً فوقتاً ہمارا عملہ تعمیراتی سرگرمیوں کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔ کام کے تئیں لاپرواہی برتنے پر سخت قدم اٹھائے جانے سے بھی پرہیز نہیں کیا جاتا۔ واضح رہے کہ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کے قیام کو تقریباً 11 سال ہوچکے ہیں۔ اِس مختصر سی مدت میں اِس نے نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ یونیورسٹی کی سبھی عمارتیں قابلِ دید ہیں اور جدید سہولیات سے مزین ہیں۔ اگر اس کی ترقی اسی طرح سے جاری و ساری رہی تو آنے والے وقتوں میں اِس کا شمار ملک کی عظیم یونیورسٹیوں جیسے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، بنارس ہندو یونیورسٹی اور جواہر لعل نہرو یونیورسٹی دہلی میں ہوگا۔ اِس کے لئے انجینئرنگ سیکشن کڑی محنت کررہا ہے۔ اِس کے علاوہ اور بھی کئی اہم ذمہ داریاں شعبہ کے سپرد ہیں جیسے تمام عمارتوں میں پانی، بجلی کی سربراہی اور صفائی وغیرہ کا بھی انتظام اسی شعبہ کے ذمہ ہے۔ انھوں نے بتایا کہ شعبہ کا عملہ اپنے کام کو صرف ڈیوٹی کے نظریہ سے نہیں دیکھتا بلکہ اِسکو اپنا دینی فریضہ بھی سمجھتا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ یونیورسٹیوں کے تمام عہدیداروں کی جانب سے اس شعبہ کو ہر طرح کی مدد دی جاتی ہے جس سے سیکشن کا کام کبھی متاثر نہیں ہوا۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ یونیورسٹی انتظامیہ مستقبل میں بھی اسی طرح کا تعاون برقرار رکھے گا۔

اُردو یونیورسٹی بوائز ہاسٹل

فیصل فریدی

حیدرآباد۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے طلبا کی معیاری رہائش کے سلسلہ میں یونیورسٹی کے ہاسٹل کا جائزہ لیا گیا۔ یونیورسٹی کا بوائز ہاسٹل سب سے بہتر اور خوبصورت ہے جہاں طلبا کی رہائش اور تعلیم سے متعلق سبھی ضروریات کا بہترین انتظام کیا گیا ہے۔ یونیورسٹی کے بوائز ہاسٹل کا افتتاح 16 جون 200 کو عمل میں آیا۔ اس موقع پر منعقدہ افتتاحی تقریب میں نائب صدر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی شمس الرحمٰن فاروقی نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ اس تقریب میں وائس چانسلر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی پروفیسر اے ایم پٹھان خاص طور سے موجود تھے۔ اس کے علاوہ پرووائس چانسلر کے آر اقبال احمد، فائنانس آفیسر وائی جینت راؤ، انچارج کیمپس ڈیولپمنٹ ایس اے واحد، وارڈن ڈاکٹر شمس الہدی کے علاوہ یونیورسٹی پروفیسرس اور معزز شہریوں نے بھی تقریب میں شرکت کی۔ یونیورسٹی کی دومنزلہ عمارت میں جملہ 62 کمرے ہیں جس میں زائد از 186 طلبا رہائش پذیر ہیں۔ ہاسٹل میں مختلف مقامات پر تین فریج بھی نصب ہیں تاکہ طلبا کو پینے کا ٹھنڈا پانی فراہم کیا جاسکے۔ بوائز ہاسٹل کا نام آتے ہی طلبا کے دل میں ایک امنگ سی اٹھتی ہے۔ خاص طور سے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کی بات تو الگ ہی ہے۔ کھلی جگہ پر ماحولیاتی آلودگی سے دور یہ عمارت اپنے رہنے والوں اور تعمیر کرنے والوں کے ذوق اور معیار کا پتہ دیتی ہے۔ ہاسٹل کے صاف ستھرے ہوادار کمرے معیاری رہائش کا نمونہ ہیں۔ جہاں ضروریات سے فارغ ہونے کے لئے صاف حمام اور بیت الخلا طبیعت پر گراں نہیں گذرتے۔ تفریح کے لئے کھیل کا میدان جہاں طلبا اپنے ذوق کے مطابق اپنے پسندیدہ کھیل، کھیل سکتے ہیں۔ کھلی ہوا اور چہل قدمی کے لئے بہترین جگہ دستیاب ہے۔ طبیعت کی کسلمندی دور کرنے کے لئے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ کے اسپائس بھی ہیں۔ ہاسٹل میں پڑھائی اور مطالعہ کے لئے ایک وسیع اور بڑا کمرہ (اسٹڈی روم) بھی ہے جہاں طلبا کو پر سکون ماحول میسر ہے۔ طلبا کو ہاسٹل میں اپنے گھروں سے دوری کا احساس نہیں ہوتا۔ سبھی سینئر اور جونیر طلبا ایک دوسرے کے ساتھ انتہائی محبت اور خلوص کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ تمام ساتھی بہترین اخلاق کا نمونہ ہیں۔ سبھی آپس میں بھائی چارگی، محبت اور ہم آہنگی سے رہتے ہیں۔ کسی ناگہانی واقعہ یا صورتحال کے موقع پر ایک دوسرے کے کام آنا، مانو طلبا کے اخلاق کا مظہر ہے۔ ہاسٹل کی فضاء و دیگر کالجوں کے ہاسٹلوں سے زیادہ نہایت خوشگوار اور صحت مند ہے۔ روشنی کے لئے برقی قمقمے اس کے ساتھ ہی چاند کی روشنی شام کے وقت وجد آفریں سما پیدا کرتی ہے۔ باغیچے کے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو دل و دماغ کو معطر رکھتی ہے۔ ہاسٹل کی صفائی اور خوبصورتی، طلبا کے اخلاق و کردار اور رہن سہن پر اثر انداز ہوتی ہے اور تمام اعلی کردار کا نمونہ دکھائی دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام طلبا یکسوئی سے اپنی تعلیم مکمل کرتے ہیں اور اپنے روشن مستقبل کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ یونیورسٹی کی طرف سے جناب شمس الہدی کو طلبا کی دیکھ بھال کیلئے وارڈن کے عہدہ پر فائز کیا گیا ہے جو شفیق باپ کی طرح ہاسٹل کے طلبا کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھتے ہیں۔

پالی ٹیکنک اور آئی ٹی آئی کے ذریعہ اردو میں فنی تعلیم

غلام احمد

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیوسٹی کے شعبہ پالی ٹیکنک اور آئی ٹی آئی کے ذریعہ 3 سالہ جونیر انجینئر اور 2 سالہ ووکیشنل ٹریننگ کورس چلایا جارہا ہے۔ یہ کورس اردو زبان میں پڑھایا جاتا ہے۔ کالج کے پرنسپل محمد یوسف خان نے بتایا کہ انجینئرنگ اور ٹیکنیکل کورسس کی تعلیم اردو زبان میں دی جارہی ہے جس کا خاص مقصد اردو میڈیم سے تعلیم حاصل کرنے والے طلبا کو بھی فنی میدان میں مسابقت کا اہل بنانا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اردو میڈیم طلبا کو اردو زبان کے ذریعہ فنی کورسس کی تدریس سے انہیں مشکل اصطلاحات سمجھنے میں بھی آسانی پیدا ہوجاتی ہے۔ اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے سابق وائس چانسلر اردو یونیورسٹی پروفیسر اے ایم پٹھان نے یہاں اس کورس کی شروعات کی۔ انہوں نے مزید بتایا کہ چونکہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ایک سنٹرل یونیورسٹی ہے اسی لئے اس کو اس بات کی پوری اجازت ہوتی ہے کہ وہ اپنے طور پر کسی کورس کی شروعات کرے۔ تاہم یونیورسٹی کے پالی ٹیکنک کو آل انڈیا کونسل فار ٹیکنیکل ایجوکیشن (اے آئی سی ٹی ای) سے ہنوز سرٹیفائی نہیں کیا گیا ہے۔ یونیورسٹی، اندرون ایک سال اپنے اس ادارہ کو اے آئی سی ٹی ای سے الحاق دلانے کی کوشش کررہی ہے۔ الحاق نہ ملنے کی وجہ انہوں نے عملہ کی مقررہ تعداد کے فقدان کو بتائی۔

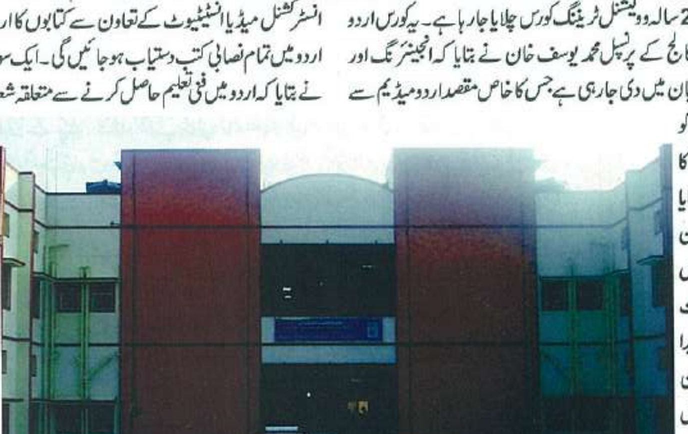

اس کے برعکس مولانا آزاد آئی ٹی آئی نیشنل کونسل فار ووکیشنل ٹریننگ سے الحاق شدہ ہے جو سارے ملک میں ایک نصاب چلاتی ہے۔ اس کا امتحان بھی ایک ساتھ منعقد ہوتا ہے۔ آئی ٹی آئی میں مکمل اسٹاف موجود ہے۔ پالی ٹیکنک میں جملہ 160 نشستیں ہیں جبکہ آئی ٹی آئی میں 200 سیٹیں دستیاب ہیں۔ ہر شاخ (ٹریڈ) میں 40 طلبا ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ نصاب کی تمام کتابیں اردو میں دستیاب نہیں ہیں اور ہم نیشنل انسٹرکشنل میڈیا انسٹیٹیوٹ کے تعاون سے کتابوں کا اردو ترجمہ کرارہے ہیں۔ بہت جلد اردو میں تمام نصابی کتب دستیاب ہوجائیں گی۔ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ اردو میں فنی تعلیم حاصل کرنے سے متعلقہ شعبہ میں ملازمت ملنے میں دشواری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ طلبا کی رابطہ کی صلاحیتوں کو فروغ دینے کیلئے ایک پرچہ Communicative بہ زبان انگریزی پڑھایا جارہا ہے۔ یہ تینوں سال پڑھایا جاتا ہے۔ آخری دو سمسٹر میں عربی زبان پڑھائی جائے گی تاکہ طلبا کو خلیجی ممالک میں روزگار حاصل کرنے میں آسانی ہو Placement سے متعلق انہوں نے بتایا کہ آئی ٹی آئی کے دو طلبا کو دبئی کی ایک کمپنی میں ملازمت حاصل ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ آندھراپردیش سنٹرل پاور ڈسٹری بیوشن کمپنی لمیٹڈ (اے پی سی پی ڈی سی ایل) میں ایک طالب علم کو ملازمت دی گئی ہے۔ 5 طلبا کو EASSO Lift Company میں ملازمت حاصل ہوئی جبکہ جاپان کی Mitsubishi نے 15 طلبا کو ملازمت کے لئے طلب کیا ہے۔ یوسف خان نے بتایا کہ جب آئی ٹی آئی کے طلبا کو اتنے مواقع مل رہے ہیں تو پالی ٹیکنک کے طلبا کو ملازمت کیوں نہیں ملے گی؟

انہوں نے غیر مقامی طلبا کے لئے رہائش کے مسئلہ کو اجاگر کرتے ہوئے کہا کہ بچوں کو ہنوز مستقل رہائش الاٹ نہیں ہوئی ہے اور یونیورسٹی اس کے لئے بہت تیزی سے کام کررہی ہے۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ جلد ہی تمام طلبا کو ہاسٹل رومس الاٹ ہوجائیں گے۔

ٹی وی نیوز اینکرنگ
ایک ہنر

محمد صغیر الدین

اس بات سے قطعی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ میڈیا روز بروز ترقی کی منزلیں طے کرتا جارہا ہے۔ خواہ وہ پرنٹ میڈیا ہو یا الکٹرانک میڈیا۔

میڈیا نے جب سے جدید ٹکنالوجی کو اپنایا وہ ایک بہت بڑی صنعت کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ نتیجہ، اس میدان میں روزگار کے بہت سارے مواقع میسر آنے لگے۔ جیسے اسکرپٹ رائٹر، کاپی ایڈیٹر، ٹرنسلیٹر، وائس اوور آرٹسٹ، چینل پروڈیوسر، رپور اور ساؤنڈ انجینئر کے عہدوں پر ہر دن بڑھتی مانگ اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ الکٹرانک میڈیا چونکہ تیزی سے پھلنے پھولنے والا میڈیا ہے، اس لئے اس میں وقت کی کافی اہمیت ہوتی ہے۔ خبر کی رسائی میں چند لمحوں کا فرق ایک چینل کو دوسرے چینل پر بازی مار لے جانے کا موقع فراہم کردیتا ہے۔ پرنٹ میڈیا کے برخلاف ٹی وی میڈیا میں خبر کو حاصل کرنے کے فوری بعد جتنا جلد ہوسکے چینل پر بریک یعنی نشر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایسے ہی چینل کی ٹی آر پی ریٹنگ میں اضافہ ہوتا ہے۔ جو سب سے پہلے خبر دکھانے کا اعزاز رکھتا ہو وہ چینل کو مقبولیت فراہم کرنے کا باعث بن جاتی ہے۔ چینل کی مقبولیت یعنی ٹی آر پی ریٹنگ پر چینل کے مالی استحکام کا انحصار ہے۔ اگر چینل زیادہ مقبول ہو اور زیادہ پسند کیا جاتا ہو تب ہی تشہیر کے حوالے سے چینل کو زیادہ بزنس یعنی کاروبار ملتا ہے جو اشتہارات کی شکل میں ہوتا ہے۔ الکٹرانک میڈیا میں خبر کا حصول ہی سب کچھ نہیں ہوتا بلکہ اسکو چینل کے ذریعہ ناظرین تک خصوصی فارمیٹ میں پہنچایا جاتا ہے۔ اس میں سب سے اہم کردار ادا کرتا ہے اینکر جو الکٹرانک میڈیا میں خبروں کو عوام کے سامنے قابل قبول انداز میں پیش کرتا ہے۔ خبر کو عوام تک پہنچانے کے لئے اگر چینل کے پاس قابل ترین رپورٹنگ، ایڈیٹوریل اور ٹیکنکل اسٹاف موجود ہو جو اپنی معیاری خدمات فراہم کرتے ہوں مگر اینکر خبروں کو بہتر انداز میں پیش کرنے سے قاصر ہو تو تمام عملہ کی کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔ چینل، ناظرین پر اپنا اثر نہیں چھوڑ پاتا۔ محض ایک اینکر کی ناقص کارکردگی جہاں پورے اسٹاف کی محنت کو برباد کرنے کا باعث بنتی ہے وہیں ناظرین کو بھی بدمزہ کرجاتی ہے اور پھر ناظرین کے ہاتھ میں موجود ریموٹ کنٹرول کا بٹن دب جاتا ہے اور دوسرے نیوز چینل پر اسکی نظر منتقل ہوجاتی ہے۔ اینکر، چونکہ چینل کا برانڈ ایمبیسڈر ہوتا ہے اس لئے اینکر کو کئی ایک خوبیوں کا حامل ہونا چاہئے۔ بنیادی خوبیوں میں زبان کا ''آرٹکولیشن'' صحیح ہونا

چاہئے تا کہ الفاظ کا مخرج درست ہو۔ ساتھ میں نظر تیز ہو۔ اسکے علاوہ اینکر خوبرو ہو اور جرنلزم سے بھرپور واقفیت رکھتا ہو۔ اینکر کا حاضر دماغ اور برجستگی کا حامل ہونا، اینکرنگ کی اولین ضرورت ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں نیوز اسٹوڈیو سے نیوز کی براہ راست نشریات ہوتی ہیں۔ فلموں کی شوٹنگ کی طرح یہاں پر ''ٹیک'' کا موقع نہیں ملتا۔ اس لئے اینکرنگ ایک چیلنج بھرا کام ہے۔ اینکر نہ صرف اسکرین پر ہوتا ہے بلکہ چینل کی کارکردگی اور معیار کے ساتھ خبروں کو عوام تک پہنچانے کا ذریعہ بھی ہوتا ہے۔ اینکر، چینل کا وہ نمائندہ ہوتا ہے جو اپنی صلاحیتوں سے چینل کو بلندیوں تک پہنچاتا ہے۔ اینکرنگ کرنے کے لئے کئی ایک صلاحیتوں کا یکجا ہونا ضروری ہے۔ اینکر خوبرو ہو یہ الگ بات ہے، ساتھ ساتھ زبان اور لہجہ پر کنٹرول، بہترین آواز، اسکرین فیس، تلفظ کے علاوہ اینکر صرف نیوز ریڈر ہی نہ ہو بلکہ ایک صحافی بھی ہو، تا کہ خبروں کی پیشکشی میں مختلف اقسام کی خبروں کے ساتھ انصاف کرسکے۔ اینکرنگ ایک ایسا پیشہ ہے جہاں اینکر کو ایک طرف شہرت مل جاتی ہے تو وہیں دوسری جانب یہ خاطر خواہ آمدنی کا ذریعہ بھی ہے۔ آج کے دور میں جس طرح الکٹرانک میڈیا پھل پھول رہا ہے، اس لحاظ سے اینکرس کو کافی مواقع مل سکتے ہیں۔ آج بھی میڈیا انڈسٹری اچھے اینکروں کی منتظر ہے۔

ایک اچھا اینکر بننے کے لئے متعلقہ زبان پر عبور ہونا چاہئے۔ ساتھ ہی ساتھ انگریزی زبان سے واقفیت کے علاوہ علاقائی زبان کا جاننا بہتر اینکر بننے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ ایک اچھا اینکر نہ صرف نیوز ریڈنگ کرتا ہے بلکہ ماہرین سے نیوز بلیٹن کے دوران فون پر براہ راست مختلف موضوعات پر بحث و مباحثہ کا اہل بھی ہوتا ہے۔ اینکر کے لئے لازم ہے کہ وہ حالات حاضرہ سے واقفیت رکھے اور اہم واقعات اور بڑی خبروں کے پس منظر سے بھی بخوبی واقف ہو۔ اینکر کو مختلف شعبہ جات جیسے سیاست، معاشیات، سماجیات، طب و سائنس، تعلیم، قانون، جرائم، تہذیب و ثقافت، زراعت وغیرہ وغیرہ سے جڑی اصطلاحات کا ازبر ہونا بھی لازمی ہے۔ اینکر کی آواز میں Base یعنی ٹھہراؤ ہونا چاہئے۔ صرف اچھی آواز (جو کہ قدرتی ہوتی ہے) ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ Modulation یعنی آواز کا اتار چڑھاؤ، ضرورت کے لحاظ سے اینکر کے لئے نہایت ضروری ہوتا ہے۔ اینکر کو چاہئے کہ وہ اپنی آواز کو بہتر بنانے کے لئے مختلف قسم صوتی مشقیں (Vocal Exercise) کرتا رہے۔ اینکر کا تلفظ صحیح اور درست ہونا چاہئے اس کے Diction اور Accent میں تبدیلی سے پیشکشی کا معیار متاثر ہوتا ہے۔ اینکر کو اپنے Rythm کا خاص خیال رکھنا ہوتا ہے۔ اینکر کو چاہئے کہ وہ اپنے تلفظ اور انداز بیان پر علاقائی لب و لہجہ کو غالب نہ آنے دے۔ اینکر کو متعلقہ زبان پر عبور کے ساتھ ساتھ ہر شعبہ حیات سے جڑی کچھ نہ کچھ معلومات ہونی چاہئیں تا کہ کسی بھی مضمون یا موضوع سے جڑی خبر کو بہتر طریقے سے پیش کرسکے۔

اینکر نہ صرف اپنی آواز، زبان اور قواعد پر دھیان رکھے بلکہ خبروں کا انتخاب کرنے کا اہل ہو۔ اس کے علاوہ راست نشریات کے دوران کسی بھی قسم کے تکنیکی مسائل پر قابو پاکر معیاری پیشکش کو یقینی بنائے۔ اینکر کو ٹی وی اصطلاحات سے اچھی طرح واقف ہونا چاہئے اپنی Voice Modulation میں خبر کا احساس کرانا اور اپنے چہرے کے تاثرات خصوصاً Eye Contact سے ناظرین کو باندھے رکھنا چاہئے۔ نیوز کو بہتر انداز میں ناظرین تک پہنچانے کے لئے اینکر کی Body Language نہایت ہی اہم رول ادا کرتی ہے۔ کرسی پر آپ کس طرح سے بیٹھتے ہیں، ہاتھوں کی حرکت، آنکھوں کا رابطہ، سر کی حرکت اور چہرے پر خبر کی نوعیت کو عیاں کرنا یہ سب کچھ توازن کے ساتھ بیک وقت کرنا پڑتا ہے۔ یہ مہارت بھی ہے۔ صلاحیت بھی اور ایک فن بھی۔ لہٰذا اینکر کا کام بڑا چیلنج بھرا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اینکر کو اپنے چہرے کی رنگت یعنی Complexion کے لحاظ سے لباس اور چہرے مہرے کے حساب سے ہیئر اسٹائل کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔ الکٹرانک میڈیا کے پھیلاؤ سے پہلے اینکرنگ میں وائس ماڈیولیشن اور باڈی لنگویج کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا اور اینکرنگ کا تصور صرف نیوز ریڈنگ کی حد تک محدود تھا۔ لیکن آج اینکرنگ میں انٹراکشن (Interaction) ہوتا ہے جو نہ صرف آواز کے اتار چڑھاؤ پر مبنی ہوتا ہے بلکہ چہرے اور آواز کا متوازن امتزاج ہوتا ہے۔ Body Language کے استعمال سے خبر کو نہایت ہی پرکشش انداز میں پیش کیا جاتا ہے تب جا کر ناظرین چینل کو دیکھنے کے لئے راغب ہوتے ہیں۔

بہرحال موجودہ دور الکٹرانک میڈیا کو ایک بڑی صنعت میں منتقل کرتے ہوئے روزگار کے پرکشش مواقع فراہم کررہا ہے۔ ایسے میں الکٹرانک میڈیا کیلئے پروفیشنل ازم ایک چیلنج بنتا جارہا ہے اور جہاں پروفیشنل ازم چیلنج بن جاتا ہے وہیں صلاحیتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ اس چیلنج کو قبول کرنے کیلئے پوری صلاحیتوں کے ساتھ کڑی محنت اور بھرپور توجہ درکار ہوگی۔

کشتی کہیں ڈوب نہ جائے!

عبداللہ صابر

موجودہ زمانہ کا رجحان یہ ہے کہ عورتوں کی آزادی اور حقوق کی بات ہر زبان پر جاری ہے۔ اس کا پروپیگنڈہ اس انداز سے کیا جاتا ہے گویا عورت کی ذات زندان میں محبوس ہے جس سے اس کو آزادی دلانا وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ یہ عنوان اتنا مقبول ہوتا جارہا ہے کہ صحافی سے لیکر سیاستداں اور مفکر سے لیکر ان پڑھ، گویا ہر شخص اس سلسلہ میں رائے زنی کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے اور جب بھی عورتوں کے حقوق اور آزادی کی بات ہوتی ہے تو اس سے ہمہ گیر آزادی مراد ہوتی ہے۔ آزادی کے ذیل میں گھر سے آزادی، شوہر اور بچوں سے آزادی، کپڑوں کے بوجھ سے آزادی، نسوانیت سے آزادی، تہذیب وثقافت کی بندشوں سے آزادی، شرم وحیا کی قید سے آزادی اور ہائے ہیلو سے شروع ہوکر جنسی بے راہ روی کی طرف لے جانے والی آزادی سب کچھ شامل ہے۔ حقوق کی فہرست میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی تمام حقوق داخل ہیں۔ حقوق کی بحالی کے لئے علاقائی، صوبائی، ملکی اور بین الاقوامی تنظیمیں قائم ہیں جن کا مشغلہ ہی یہ ہے کہ وہ ہر اسٹیج سے مزعومہ حقوق کی بحالی کی دہائی دیں۔

یوں تو حقوق نسواں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن آج ہمارا موضوع تمام حقوق کا احاطہ کرنا نہیں بلکہ سرفہرست حق کے بارے میں فکر کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عورتیں ہمارے معاشرے کا نصف حصہ ہیں اور دقیانوسی خیالات کی پاسداری کرتے ہوئے اگر ہم ان کو گھر کی چہاردیواری میں بند کردیں اور باہر نکل کر آزادانہ ملازمت کی اجازت نہ دیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنے نصف حصہ کو ناکارہ بنادینا چاہتے ہیں جو نہ صرف ہمارے حق میں نقصاندہ ہوگا بلکہ اس سے ہماری ترقی کی رفتار سست ہو جائے گی اور ہم ترقی یافتہ ممالک کی صف میں پیچھے رہ جائیں گے۔

مثال کے طور پر یوروپی ممالک کو پیش کیا جاتا ہے اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہاں کی ترقی کا راز یہ ہے کہ خاندان کو دوطرفہ کمائی حاصل ہوتی ہے اور اس بات کو وہ لوگ خوب اچھالتے ہیں جو عورتوں کی جسم کی نمائش اور ان کی نسوانیت کا سودا کر کے اپنی تجارت کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔

اس قسم کا لچر دعوی کرنے والے پتہ نہیں کیوں زمینی حقائق کا سامنا کرنے سے کتراتے ہیں۔ وہ جوش جنوں میں یہ تک فراموش کر بیٹھتے ہیں کہ عالمی سطح پر ملازمت یا روزگار کے مواقع، روزگار تلاش کرنے والوں کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔ اس کا سیدھا سا مفہوم یہ ہے کہ اگر روزگار کے مواقع کو با صلاحیت افراد کے درمیان منصفانہ طور پر تقسیم کیا جائے تو وہ ناکافی ہوں گے اور بڑی تعداد ایسی رہ جائے گی جن کو روزگار نہیں مل سکے گا۔ جب صورتحال یہ ہو تو پھر صنف نازک کو ملازمت کے میدان میں گھسیٹنے کا کہاں تک جواز فراہم ہوسکتا ہے؟ خود عورتوں کی جسمانی ساخت، خلقی نزاکت اور ان کا عقلی مستوی بھی اس بات کے منافی ہے کہ ان پر روزی روٹی کمانے کی ذمہ داری عائد کی جائے۔

عورت کسی منفرد اکائی کا نام نہیں ہے بلکہ اس کی ذات ہمہ جہت ہے، اس کے روپ صد رنگ ہیں۔ اگر کچھ حقوق اس کے ہیں تو اس کے اوپر بھی کچھ حقوق ہیں۔ ایک بچہ کو ماں کی محبت، ان کے گود کی حرارت اور ان کے آنکھوں کی تربیت ملنی چاہئے کیونکہ بچہ کی کردار سازی میں یہ عناصر بہت ضروری ہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ عناصر مفقود ہیں تو اسکی نشو ونما متاثر ہوسکتی ہے۔ اس کی خوداعتمادی میں کمی آسکتی ہے اور یہ کہ کہیں ان کی صلاحیتیں غلط صحبتوں کی بھینٹ نہ چڑھ جائے اور اس کے اندر ملک وقوم کی قیادت کی صلاحیت پروان نہ چڑھ سکے۔ اسی طرح ایک بچہ کو بڑی بہن کی شکل میں مشفق ومہربان رہنما، بہترین آئیڈیل اور ادب واحترام کے دائرہ میں رہ کر ایک مخلص دوست کی ضرورت پڑسکتی ہے۔ کیا یہ آٹھ آٹھ دس دس گھنٹے گھر سے باہر رہ کر سخت محنت کرنے والی ملازمت سے وابستہ ایک عورت ان ذمہ داریوں کو ادا کرسکتی ہے؟

اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ عورت سکون واطمینان کا سرچشمہ ہے جہاں سے ایک مرد کو روحانی تسکین پہنچ سکتی ہے۔ قرآن کے الفاظ "لتسکنوا الیھا" کا مفہوم یہی ہے لیکن غلط فہمی ہوگی اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ عورت ایک بت ناتراشیدہ کی طرح کھڑی رہے اور اسکی ذات سے چھن چھن کر خوشبو آتی رہے گی۔ یہ بات ایک حد تک تو درست ہوسکتی ہے مگر سکون کا حقیقی سرچشمہ ثابت ہونے کیلئے عورت کو بھی اسی قالب میں ڈھلنا پڑتا ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اچھی بیوی کی یہ خصوصیت بیان کی کہ "واذانظر الیھا سرتہ" یعنی شوہر اپنی بیوی کی طرف دیکھے تو وہ اپنے ناز وادا سے خوش کردے۔ کیا آفس سے نڈھال، بوجھل قدم اور شکستہ بدن گھر واپس آنے والی عورت یہ فریضہ انجام دے سکتی ہے؟ ملازمت کرنے والی عورت اپنے شوہر کی اطاعت اور خدمت کرے یہ فرسودہ اور گذرے زمانے کی بات ہے۔ آج صورتحال اس کے برعکس ہے۔ بیچارے شوہر کو اپنی ملازم بیوی کی جی حضوری اور غلامی کا جو عذاب اٹھانا پڑتا ہے اس کو تو بیچارے شوہر کا دل جانتا ہے۔

خرابیوں کا یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا، خرابی تو اصل آفس میں ہوتی ہے جہاں عورت کو ملازمت کے لئے طویل دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عام طور پر آفس کا جو ماحول ہوتا ہے وہاں پر جو تعلقات ہوتے ہیں خصوصاً کارپوریٹ ورلڈ یا ملٹی نیشنل کمپنیوں میں مردوں سے ہاتھ ملانے، آنکھیں لڑانے، گلے ملنے اور بسا اوقات؟؟؟؟۔۔۔ کے جو واقعات منظر عام پر آتے ہیں وہ ایک باغیرت باپ یا شوہر کے دل دہلانے کے لئے کافی ہیں یا پھر اپنے منیجر یا ٹیم لیڈر کو خوش کرنے کیلئے جو جتن کرنے پڑتے ہیں ایک شریف خاتون اس کا مشاہدہ کرلے تو وہ فاقہ کرلے گی لیکن اس طرح کی ملعون ملازمت ہرگز پسند نہیں کرے گی۔ میں کسی پر بدتہذیبی کا الزام تو عائد نہیں کرتا مگر سوچتا ہوں کہ کتنا مشکل اور پرآزمائش ہوگا ایسی جگہ اپنی پارسائی قائم رکھنا جہاں نوجوان مرد وعورت شانہ بشانہ گھنٹوں کام کررہے ہوں اور حال یہ ہو کہ آگ دونوں طرف بالکل برابر کی لگی ہو۔ کیا یہ قرین قیاس نہیں کہ اچھے اچھے زاہد بے نیاز کا زہد بھی خطرہ میں پڑسکتا ہے اور اس کے قدم بھی ڈگمگا سکتے ہیں اس لئے کہ وہ بھی ایک انسان ہے۔

مصیبت تو یہ ہے کہ نوجوان مرد وعورت کی ایک بڑی تعداد شادی کو ایک زنجیر پا تصور کرتی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ان کو مال اور جنسی تسکین کے اسباب تو آفس ہی میں باآسانی مہیا ہیں تو پھر شادی کی کیا ضرورت؟ اس روشنی میں کثرت طلاق کے واقعات کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

بہرحال خاندان کے ذمہ داران کو مذکورہ بالا پہلوؤں کو سامنے رکھ کر غور کرنا چاہئے کہ عورت کی ملازمت کے نقصانات کا دائرہ کتنا وسیع ہے اور ساتھ ہی ان کو اسکے تدارک کی بھی کوشش کرنی چاہئے ورنہ کل، کف افسوس ملنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ ہم سب کو صحیح سمجھ کی توفیق دے۔ (آمین)

حیدرآباد
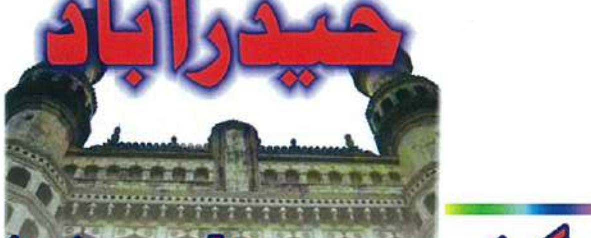

گنگا جمنی تہذیب کا گہوارہ

سید غلام ربانی

سرزمین دکن گنگا جمنی تہذیب کا گہوارہ ہے۔ شہر حیدرآباد کا تمدن اسی تہذیب کے سبب پروان چڑھا ہے۔ عصری ترقی کے ساتھ اس شہر کی تہذیب مشترکہ تمدن کی آئینہ دار ہے۔ کاکتیہ، بہمنی، قطب شاہی اور آصف جاہی دور حکومت سے آج کے جمہوری عہد تک یہ شہر تہذیب کی ایک ایسی لڑی میں جڑا ہوا ہے جہاں مذہبی اور لسانی تفریق سے دور، عوام ایک دوسرے کے ساتھ باہم شیروشکر مل جل کر زندگی بسر کررہے ہیں۔ ہیں۔ شہر حیدرآباد نے یہاں ہر آنے والے کو خوش آمدید کہا ہے۔ شمالی وجنوبی تہذیبوں کا یہاں ملن ہوتا ہے۔ تلگو، اردو، مراٹھی، کنڑی، ٹامل، اڑیہ، بنگالی، ہندی، پنجابی، سندھی ہر زبان وخطہ کے لوگ یہاں ملیں گے۔ حیدرآباد کی مشترکہ تہذیب، قطب شاہی عہد کے پہلے حکمران، سلطان قلی قطب شاہ آخری قطب شاہ اور مملکت آصفیہ کے پہلے فرمانروا آصف جاہ اول سے آصف جاہ ہفتم نواب میر عثمان علی خاں کا دور گنگا جمنی تہذیب سے موسوم ہے۔ یہ تہذیب دراصل مغل بادشاہ اکبر کی تہذیب کا حصہ ہے جو شمال سے جنوب کی طرف گولکنڈہ منتقل ہوئی۔ تاریخ گولکنڈہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ قطب شاہوں اور آصف جاہی حکمرانوں نے اپنے دور حکمرانی میں ہندو مسلم ملی جلی تہذیب اور باہمی رواداری کی روشن مثالیں پیش کی ہیں۔ مسلم حکمراں اپنے قلمرو میں حکومتوں کے اعلی عہدوں پر غیر مسلموں کو نوازتے، ایک دوسرے کے مذہبی رسم ورواج میں شرکت اور سماجی تعلقات کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔

حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی تہذیبی وثقافتی تاریخ اپنے دامن میں بڑا تنوع رکھتی ہے۔ سلطان قلی قطب شاہ نے 1589ء میں گولکنڈہ کے مشرق میں 8 کلو میٹر کے فاصلے پر موسی ندی کے کنارے شہر حیدرآباد کی بنیاد رکھی اور خالق کائنات کی بارگاہ میں مناجات پیش کی

میرا شہر لوگاں سے معمور کر

ان کی یہ دعا مقبول ہوئی اور آج کا حیدرآباد اپنی آبادی اور وسعت ورقبہ کے لحاظ سے دنیا کے بڑے شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ قلی قطب شاہ، قطب شاہی خاندان کا ایسا فرماں روا تھا جس نے اپنی حکومت کی بنیاد خالص سیکولرازم پر رکھی تھی۔ اس کے عہد میں تلگو زبان کا عام رواج تھا اور وہ خود تلگو کا شاعر بھی تھا۔ بعد میں اس نے فارسی کے اثر سے اردو زبان سیکھی اور اردو کا سب سے پہلا صاحب دیوان شاعر قرار پایا۔ اس کے دربار میں مسلم وزراء، امراء کے ہمراہ ہندو وزراء وامراء بھی تھے اور اس کی فوج میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی۔ قلی قطب شاہ کے زمانے میں ہر طرف امن وامان تھا اور عوام نہایت سکون سے زندگی گذار رہے تھے۔ قلی قطب شاہ کی شاعری میں اس کی مذہبی ہم آہنگی اور رواداری کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس نے جہاں مسلمانوں کی عیدوں پر نظمیں کہیں وہیں ہندو تہواروں پر بھی نظمیں لکھیں۔ وہ بذات خود ہندوؤں کے تہواروں میں شریک ہوتا تھا۔ مندروں اور مٹھوں کے لئے اس نے کئی انعامات واکرامات دیئے اور مکمل مذہبی آزادی کا انصرام کیا۔ بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد جنوبی ہند 5 بڑی ریاستوں میں تقسیم ہوگیا جو احمد نگر، برار، بیدر، بیجاپور اور گولکنڈہ ہیں۔ بہمنی سلطنت کا مرکز بیدر تھا۔ 1518ء میں سلطان قلی قطب شاہ نے بہمنی سلطنت سے آزادی کا اعلان کیا اور سلطنت گولکنڈہ کا قیام عمل میں لایا تھا۔ محمد قلی قطب شاہ کے والد ابراہیم قلی قطب شاہ نے ایک پل موسی ندی پر بنا کر گولکنڈہ کو حیدرآباد سے جوڑ دیا تھا جو آج پرانا پل کے نام سے جانا جاتا ہے۔ 1591ء میں قلی قطب شاہ نے ایک تاریخی پروقار یادگار 'چارمینار' کی تعمیر کا حکم دیا جو 400 سال بعد بھی شہر حیدرآباد کی خوبصورت نشانی ہے اور حیدرآباد کی شناخت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عمارت بطور شکر خداوندی تعمیر کرائی گئی تھی جو ان دنوں طاعون کی وبا سے نجات پر ادا کی گئی تھی جس کے پھیلنے سے گولکنڈہ میں ہزاروں انسانوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ چارمینار سے کچھ ہی دور پر 400 سالہ قدیم مشہور مکہ مسجد واقع ہے۔ گولکنڈہ کے چھٹے سلطان محمد قلی قطب شاہ نے اس کی تعمیر کا 1617ء میں آغاز کیا اور اس کی تکمیل 1694ء میں مغل شہنشاہ اورنگ زیب کے ہاتھوں مکمل ہوئی۔ تمام سات قطب شاہی حکمرانوں کے دور میں گولکنڈہ ہیرے جواہرات کی تجارت کا اہم مرکز رہا۔ اس کے علاوہ یہ موتی، اسٹیل اور پرنٹیڈ فیبرکس کی تجارتی منڈی تھی۔ ان سلاطین نے علم وادب، تہذیب وتمدن، فن تعمیر اور دیگر فنون لطیفہ کے ارتقاء میں مکمل دلچسپی لی اور ان میدانوں میں کافی ترقی کی۔ حیدرآباد باغات اور یہاں کے معتدل موسم اور آب وہوا کے لحاظ سے مشہور ہے۔ چنانچہ دیگر ممالک سے آنے والے سیاح، حیدرآباد کا ایران کے خوبصورت شہر اصفہان سے تقابل کرتے تھے۔

حیدرآباد دکن کا علاقہ 17 ویں صدی کے دوران ایک تبدیلی کا شکار ہوا۔ مغل حکمراں اورنگ زیب نے گولکنڈہ کو 1686ء میں 9 ماہ کے محاصرے کے بعد اپنے قبضہ میں کرلیا۔ ان کا پڑاؤ فتح میدان میں تھا جو آج لال بہادر اسٹیڈیم سے موسوم ہے۔ 1687ء میں وہ واپس چلے گئے۔ ان کی یہ جیت قطب شاہی خاندان کے ساتویں اور آخری حکمراں سلطان ابوالحسن تاناشاہ کے دور میں چند سپہ سالاروں کی غداری کا نتیجہ تھی۔ 40 سال سے کم عرصہ تک گولکنڈہ مغل حکمرانی کے زیر اثر رہا۔ اس حملہ کے نتیجہ میں ہیروں کی تجارت متاثر ہوئی۔ اورنگ زیب یہاں سے مرہٹوں کی بغاوت کو ختم کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔

1724ء میں مغل حکمرانوں کے منتخب کردہ گورنرس نے حیدرآباد دکن کی خود مختاری کا اعلان کیا۔ آصف جاہ اول نے جن کا لقب نظام الملک تھا اپنے مخالف کو ہرا کر حیدرآباد کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہاں سے مملکت آصفیہ کا دور شروع ہوتا ہے۔ آصف جاہ اول کا نام قمر الدین خاں تھا۔ آصف جاہ اول تا ہفتم (نظامس آف حیدرآباد) کے دور حکومت میں حیدرآباد نے اپنی ترقی کا دوبارہ آغاز کیا۔ یہ ترقی تہذیبی، معاشی اور تعلیمی میدانوں میں تھی۔ چنانچہ ان ہی کے دور میں بڑے ذخائر آب نظام ساگر، تنگبھدرا، عثمان ساگر اور حمایت ساگر وجود میں آئے۔ ناگر جنا ساگر کے سروے کے کاموں کا آغاز بھی اسی دور میں ہوا۔

تیسرے نظام سکندر جاہ کے دور میں سکندرآباد کا قیام عمل میں آیا۔ سکندرآباد میں فرانس اور برطانیہ کی فوجی چھاونیاں قائم ہوئیں۔ نواب میر عثمان علی خاں کو یہ اعزاز حاصل رہا کہ انہوں نے حیدرآباد کو دنیا کے نقشہ پر ایک اہم شہر کے طور پر پیش کیا۔ حیدرآباد کی تاریخ کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہ شہر کبھی خانہ جنگی کا شکار نہیں ہوا۔ جو بھی حملے ہوئے وہ شہر کے باہر ہوئے چنانچہ حیدرآباد پر پہلا حملہ اورنگ زیب کے دور میں ہوا۔ فرانس اور برطانیہ کی افواج کے داخلہ کے بعد حیدرآباد دکن کے عوام پر انگریزوں کا دباؤ نہیں رہا۔ یہاں کے عوام آزاد اور خوشحال تھے۔ چنانچہ کئی دانشور اور مفکرین نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ آزادی کے بعد ہندوستانی حکومتوں کے مقابلہ میں حیدرآباد میں نظام کی حکومت کافی بہتر تھی۔ اس کی وجہ ہندو مسلم عوام کے درمیان کوئی نفرت کی دیواریں نہیں تھیں اور ان کے ساتھ حکومت امتیازی برتاؤ روا نہیں رکھتی تھی۔ یہاں کبھی فسادات رونما نہیں ہوئے۔ یہاں عوام پر ٹیکس بھی عائد نہیں تھا۔ حیدرآباد کو تاریخی شہر کی شکل میں جو ورثہ ملا تھا اس میں گولکنڈہ، چارمینار، گنبدان قطب شاہی، فلک نما پیالیس کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں بہترین نقاشی اور فن تعمیر کا نمونہ مساجد اور محلات شامل ہیں۔ حیدرآباد دکن کا لباس شیروانی اور کرتا پاجامہ ہے۔ یہ بلالحاظ مذہب وملت ہر حیدرآبادی کا عام لباس تھا۔

مرکزی کتب خانہ

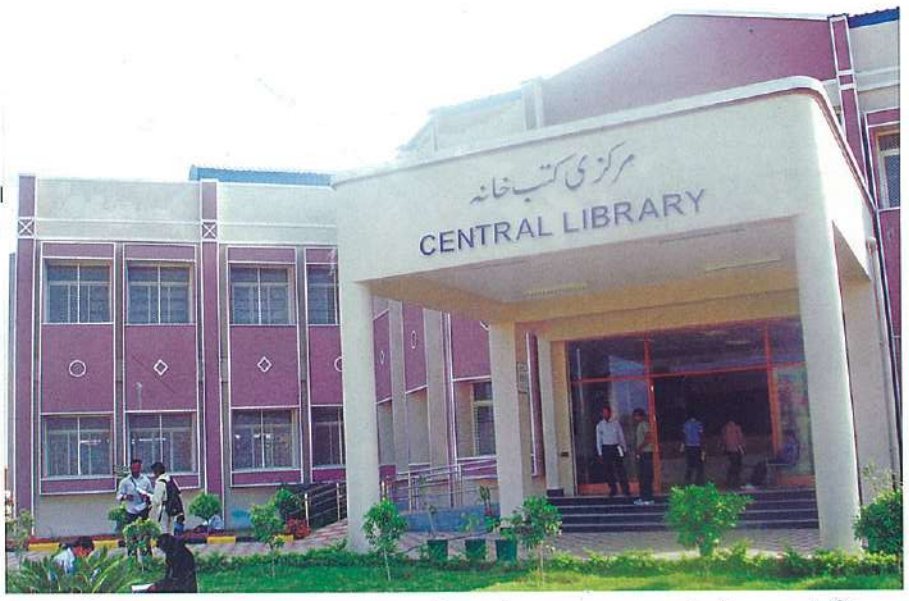

محمد عبدالکلیم

کہتے ہیں کہ تعلیمیا فتہ افراد کیلئے بہترین، سچی و پکی وفا پرستی اگر کسی سے ہوتی ہے تو وہ ہے کتابیں۔ اس لئے کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ کتا بیں ہی حقیقی دوست ہوتی ہے جو نہ صرف تنہائی میں بلکہ ہر لمحہ میں اہل علم سے اپنی وفا کا ثبوت دیتی ہیں۔

آیئے! اب ہم کچھ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کے مرکزی کتب خانہ پر تفصیلی نظر ڈالتے ہیں۔ اس کتب خانہ کی کارگردگی اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ مانو کی کارگردگی۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ بہترین کارگردگی اور ذمہ داران کی عمدہ رہنمائی نے اس کتب خانہ کو ایک علیحدہ شعبہ کی حیثیت دے دی ہے۔ قبل ازیں کتب خانہ یونیورسٹی کی اصل عمارت میں ہی واقع تھا تاہم حال ہی میں اس کے لئے ایک علیحدہ شاندار عمارت تعمیر کی گئی جو جملہ 3300 مربع گز رقبہ پر قائم ہے۔ یہ عمارت دسمبر 2008ء میں تعمیر ہوئی۔ اس کو مرکزی کتب خانہ (سنٹرل لائبریری) کا نام دیا گیا ہے۔ کتب خانہ کا افتتاح رسمی طور پر آج تک عمل میں نہیں آیا تاہم کام کاج اس کے قیام سے ہی شروع کردیا گیا ہے۔ عمارت کی تعمیر سے قبل یہ کتب خانہ مانو کی عمارت انتظامی میں جناب نصر اللہ صاحب مرحوم کی نگرانی میں چلایا جاتا تھا۔ جناب نصر اللہ صاحب انتہائی ذمہ دار عہدیدار تھے اور بے حد لگن سے اس کتب خانہ کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ اس بات کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ ان کی وفات، اپنے دفتر میں کام کرتے ہوئے یعنی ''آن ڈیوٹی'' واقع ہوئی جو کبھی بھلائی نہیں جاسکتی۔ بہرکیف یہ وہ شخص تھے جو اس کتب خانہ تو کیا ساری یونیورسٹی کے لئے ایک یاد بن کر رہیں گے۔

سنٹرل لائبریری میں خدمت انجام دینے والوں میں ڈاکٹر عباس خان اور منہاج فاطمہ کے علاوہ دیگر ذمہ داران شامل ہیں۔ تاہم آج تک یعنی 2009ء تک اس کتب خانہ کو لائبریرین کے عہدہ کے لئے کوئی مناسب شخصیت نہیں مل سکی جس کی وجہ سے یہ عہدہ آج بھی خالی نظر آتا ہے۔

کتب خانہ میں سردست (2009) تک جملہ 30,951 کتابیں موجود ہیں جو اردو زبان کے علاوہ ہندی عربی اور فارسی زبانوں میں ہیں۔ پولیٹکل سائنس، کمپیوٹر سائنس، صحافت، تاریخ، ادب اور لسانیات کی کتابوں کے علاوہ مرزا غالب پر خاص اور علاحدہ کتابیں اور لسانیات کی علاحدہ کتابوں کا مجموعہ دستیاب ہے۔ ان سب کے علاوہ 1770 جرنلس، 17 پاپولر میگزینس، 583 جرنلس کی جلدیں، 162 کمپیوٹر سی ڈیز اور دیگر آڈیو کیسٹس وغیرہ بھی موجود ہیں جن کی حفاظت کے لئے کتب خانہ میں منفرد طریقوں پر غور کیا جاتا ہے۔ اس کتب خانہ میں استعمال ہونے والا قیمتی حفاظتی آلہ ہے جس کو انگریزی زبان میں Security Gate کہتے ہیں۔ یہ مقناطیسی کشش کی بنیادوں پر کام کرتا ہے تاکہ بغیر اجازت کوئی شخص کتابیں باہر نہ لے جاسکے۔ اس کے لئے ایک خاص قسم کی خفیہ شئے کتابوں اور دیگر چیزوں پر لگائی جاتی ہے اور مقاطیسی آلہ لہروں کے ذریعہ کام کرتے ہوئے اسے پہچان لیتا ہے۔ یہ باتیں کتب خانہ کی اہمیت کو بڑھا دیتی ہیں۔ یہاں آنے اور جانے والے تمام طلبا و طالبات کے علاوہ دیگر قارئین کے لئے کئی نفع بخش سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں جو اس طرح ہیں۔

1. Delnate Membership
2. Bibliography Graphical Search Library Database
3. Library Auditorium with 180 Seat Capacity
4. Audio Visual Rooms with Separate Headphones for 50 to 60 Seaters
5. Public Announce System
6- Fire Alarm System
7. Internal & Externel Reading Rooms with AC
8. Tie up with British Library Council & Hyderabad Central University for Book references.

جہاں تک طلبا و طالبات کے علاوہ اساتذہ اور اس یونیورسٹی کے دیگر ملازمین کی بات ہے وہ بھی اس کتب خانہ کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ کتب خانہ کی کتابوں کو ذاتی طور پر استعمال کرنے کی مدت (6 ماہ) اور تعداد (14 کتابیں) سب سے زیادہ اساتذہ کو دی گئی ہے۔ اس کے بعد ریسرچ اسکالرس کو مدت (14 دن کیلئے) اور تعداد (5) کتابوں کی دی گئی ہے۔ طلبا و طالبات کیلئے مدت 14 دن کیلئے اور تعداد 2 تا 4 کتابیں رکھی گئی ہیں۔ ان سب کے علاوہ اس بات کا بھی کافی چرچا ہوتا ہے کہ مرکزی کتب خانہ میں ریسرچ کیوبکل، انٹرنٹ، مرر سرور (سی ڈی، ڈی وی ڈی) اور انسائیکلوپیڈیا جیسی مزید سہولتیں مستقبل میں حاصل رہیں گی۔

قابل تعریف بات تو یہ ہے کہ کتب خانہ میں طلبا و طالبات کے لئے دوران تعلیم کمائی کا موقع بھی فراہم کیا جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کچھ طلبا و طالبات اس کتب خانہ کی کارکردگی میں کمی کی شکایت کرتے ہیں جس کو ذمہ دار حضرات آنے والے دنوں میں دور کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔

میڈیا' روزگار کا اہم ذریعہ

محمد انتشار احمد

گذشتہ 15 برسوں میں میڈیا میں ایک زبردست انقلاب آیا ہے اور سیٹلائٹ کمیونی کیشن نے ہندوستان اور اس کے باہر ترسیل کی دنیا میں نئے نئے پیشوں کی راہیں کھول دی ہیں۔ ان نئے پیشوں میں ترسیل عامہ نے خاصی اہمیت حاصل کرلی ہے۔ قومی سطح پر دوردرشن کے چینلوں میں اضافہ کے علاوہ کئی خانگی، قومی چیانلس اور خانگی ریڈیو نے جہاں الیکٹرانک میڈیا میں تنوع کا اظہار کیا ہے وہیں پرنٹ میڈیا کے میدان میں بھی اخباروں اور رسالوں نے زبردست ترقی کی ہے۔

میڈیا کے اس انقلاب نے پیشہ وارانہ لوگوں کی کیریرسازی کے لئے نئی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ پچھلے 15 برسوں میں کمپیوٹر اور سیٹلائٹ چینلوں کے حیرت انگیز پھیلاؤ کی وجہ سے اطلاعاتی ٹکنالوجی (آئی ٹی) اور ذرائع ابلاغ میں روزگار کے بے شمار مواقع نکل آئے ہیں۔ چنانچہ موجودہ دور کے نوجوانوں میں ان شعبوں میں روزگار حاصل کرنے کے لئے رجحانات کو فروغ ملا ہے اور وہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ بیرون ملک میں اعلی عہدوں پر فائز ہوکر اپنے ملک کے لئے کثیر زرمبادلہ حاصل کررہے ہیں۔ بالخصوص انٹرنیٹ ویب سائٹ ٹی وی کے قومی و بین قومی خانگی چینل وغیرہ میں روزگار کے اتنے وسیع مواقع نکل آئے ہیں کہ آپ کو اپنی صلاحیت اور تکنیکی قابلیت اور تجربہ کے مطابق شاندار ملازمت مل جاتی ہے۔

اگر ہم پرنٹ میڈیا کی ترقی کی بات کریں تو پرنٹ میڈیا نے نہ صرف قومی اور بین قومی سطح پر زبردست ترقی کی ہے بلکہ علاقائی زبانوں میں بھی اخباروں اور رسالوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ جیسے جیسے ملک کی معیشت میں بہتری آئے گی اس میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔ پرنٹ میڈیا میں آپ بطور رپورٹر، سب ایڈیٹر، فیچر ایڈیٹر، کالم نگار، مترجم اور ایگزیکیٹو ایڈیٹر کام کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ فوٹو جرنلزم اور فری لانسنگ کے ذریعہ روزگار حاصل کیا جاسکتا ہے۔

جہاں تک الیکٹرانک میڈیا یعنی ریڈیو اور ٹی وی کے شعبوں میں روزگار کا تعلق ہے یہاں بھی کئی مواقع نکلتے رہتے ہیں۔ جن میں اسکرپٹ نگاری، نیوز ریڈنگ، اناؤنسنگ، پروگرام پروڈکشن اور ویڈیوگرافی وساؤنڈ ریکارڈنگ وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے بیشتر پیشوں میں فنی تربیت ضروری ہوتی ہے۔ فلم پروڈکشن بھی ایک ایسا شعبہ ہے جس میں فلم کی تیاری کے دوران کئی قسم کے جاب نکلتے رہتے ہیں ان میں سب سے اہم تو اسکرپٹ نگاری، فلم پروڈکشن اور ساؤنڈ ریکارڈنگ کے ساتھ ساتھ ایڈیٹنگ اور سینماٹوگرافی ہیں۔ یہ سارے ایسے پیشے ہیں جن میں کامیابی کے لئے تربیت کے ساتھ سخت محنت، لگن اور عزم کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہندوستانی میڈیا ترقی کی راہ پر گامزن: پروفیسر منظور الامین

عصر حاضر کے ترقی پذیر دور میں مختلف شعبہ ہائے حیات کے دوش بدوش شعبہ صحافت وترسیل عامہ بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ اس شعبہ سے وابستہ تربیت یافتہ بے روزگار نوجوانوں کے لئے روزگار کے بہترین مواقع فراہم ہونے کی امیدیں روشن ہوگئی ہے۔ ان خیالات کا اظہار سابق اسٹیشن ڈائرکٹر جنرل دوردرشن پروفیسر منظورالامین نے 4 / اگست کو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کی تعارفی تقریب میں نئے طلبا سے خطاب کے دوران کیا۔ اس موقع پر صدر شعبہ ترسیل عامہ وصحافت احتشام احمد خان کے علاوہ اسسٹنٹ پروفیسرس بھی موجود تھے۔ انہوں نے ملک میں مختصر مدت میں مذکورہ شعبہ میں انقلابی تبدیلی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ فی الوقت ہندوستان میں 230 ریڈیو اسٹیشن کام کررہے ہیں جہاں سے علاقائی وقومی 24 سے زائد زبانوں میں خبریں ودیگر پروگرامس نشر ہوتے ہیں۔ نیز ٹیلی ویژن چینلوں کی تعداد میں بھی نمایاں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ پروفیسر منظورالامین نے مختلف دانش گاہوں میں صدر شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کی خدمت انجام دینے کے علاوہ شعبہ ذرائع ابلاغ میں عرصہ دراز تک کلیدی عہدوں پر فائز ہوکر ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے کشمیر یونیورسٹی میں شعبہ ترسیل وصحافت کی بنیاد ڈالی۔ احتشام احمد خان نے پروفیسر صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ (رپورٹ: شیخ محسن علی)

صحافت کی زرد روشنائی' زرد صحافت میں تبدیل: مجتبیٰ حسین

دورجدید میں صحافت کا شعبہ روزانہ نئی نئی اور زبردست تبدیلیوں سے ہم آہنگ ہوتا جارہا ہے۔ اخبار کی طباعت میں لیتھو پریس کا رواج نایاب ہوگیا ہے۔ اس کی جگہ آفسیٹ پریس نے لی۔ لیتھو پریس کے زمانہ میں لکھائی کے لئے زرد رنگ کی روشنائی استعمال ہوتی تھی مگر زرد صحافت کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی لیکن زرد روشنائی کا استعمال کم ہوتے ہی اس کی جگہ زرد صحافت، آہستہ آہستہ صحافت میں داخل ہونی شروع ہوگئی جس کے باعث صحافتی شعبہ سے قواعد وضوابط اور بے باکی بھی ختم ہورہی ہے۔ ان خیالات کا اظہار مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی میں ''صحافت کے اُصول'' کتاب کی رسم اجرا تقریب کے موقع پر نامور مزاح نگار پدم شری پروفیسر مجتبیٰ حسین نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ یہ کتاب یونیورسٹی کے کارگذار وائس چانسلر پروفیسر کے آر اقبال احمد نے تحریر کی ہے جو پریہ درشنی ساہتیہ پرکاشنی بنگلور نے شائع کی ہے۔ تقریب کا اہتمام مرکز برائے فروغ اُردو زبان وادب وصحافت نے کیا تھا۔ مجتبیٰ حسین نے اپنے خطاب میں موجودہ دور کی صحافت میں بے راہ روی اور بے حیائی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ صحافت، زرد صحافت کی وجہ سے ایک المیہ سے دوچار ہے۔ انھوں نے جدوجہد آزادی میں اُردو صحافت کی خدمات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ آزادی کے لئے صحافت نے ایک مشن کے تحت عوام کی ترجمانی کی۔ بالخصوص اُردو صحافت نے جو قربانی پیش کی وہ تاریخ میں سنہری حرفوں میں لکھنے کے قابل ہے لیکن موجودہ دور میں صحافت کا میدان ایک دوسرے پر بازی لے جانے اور حصول دولت وشہرت کا ذریعہ بن گیا ہے۔ قواعد وضوابط کی جگہ زرد صحافت ایک لمحہ فکریہ بن گئی ہے۔ تقریب کی صدارت وائس چانسلر سنٹرل یونیورسٹی آف گلبرگہ کرناٹک پروفیسر اے ایم پٹھان نے کی۔ اس موقع پر یونیورسٹی اسٹاف ودیگر عہدیداروں کے علاوہ سابق اسٹیشن ڈائرکٹر دوردرشن منظورالامین بھی موجود تھے۔ (رپورٹ: مرزا غنی بیگ)

اُردو کی اہم و کارآمد ویب سائٹس

حفظ الرحمن

www.alqamaronline.com	www.urdustan.com
www.urduclassic.com	www.jadeedadab.com
www.kitaabghar.com	www.urduword.com
www.urdupoint.com	www.grops.yahoo.com
www.urdunet.com	www.urdunagar.com
www.urdupages.com	www.urdumanzil.com
www.haroof.com	www.shairy.com
www.urduelm.com.uk	www.aaina-e-ghazal.com
www.tazakalam.com	www.ghazalnama.com
www.hometwon.aol.com	www.mushaira.com
www.allamaiqbal.com	www.buzam.paklink.com
www.javedakhtar.com	www.twtnews.net
www.cultoropedia.com	www.dailyaftab.com
www.urdupoerty.com	www.loveurdu.com
www.calligraphyinstitute.com	www.pdy-urdu.org.pk
www.emillta.com	www.inquilab.com
www.milap.com	www.munsif.com
www.siasat.com	www.jang.com.pk
www.etemaaddaily.com	www.urdutimesdaily.com
www.urdu.t2u.com	www.urdudost.com

آسکر ایوارڈ اور سلم ڈاگ ملینئر
ایک جائزہ

محمد سرفراز عالم

اس موضوع میں مختصراً میں، اس بات کا ذکر کروں گا کہ آسکر کیا ہے؟ آسکر ایک ایوارڈ ہے جسے ایک تقریب کے ذریعہ انجام تک پہنچایا جاتا ہے۔ جس کا انعقاد اکیڈیمی آف موشن پکچر آرٹس اینڈ سائنس امریکہ کے زیر اہتمام کیا جاتا ہے۔ دنیا بھر سے دسمبر کے مہینے میں فلمیں، اکیڈیمی کو بھیجی جاتی ہیں اور جنوری میں اکیڈیمی کے ارکان ووٹنگ کے ذریعہ یہ طے کرتے ہیں کہ کس فلم کو آسکر کے لئے نامزد کرنا چاہئے۔ اکیڈیمی کے اپنے اصول وضوابط ہوتے ہیں جس پر پرکھتے ہوئے منظور شدہ فلم کو آسکر اعزاز سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ فلمی دنیا سے متعلق ہر شخص چاہے اس کا تعلق ہالی ووڈ سے ہو یا بالی ووڈ سے آسکر کی سرفرازی اس کے لئے باعث افتخار ہوتی ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آخر ہندوستانی یعنی بالی ووڈ سے کس طرح کی فلمیں آسکر کے لئے بھیجی جاتی ہیں؟ اس کے لئے باقاعدہ ہندوستانی حکومت نے ایک کمیٹی تشکیل دے رکھی ہے جس کا کام یہ ہے کہ وہ پورے سال ریلیز ہوئی فلموں میں سے کسی ایک فلم کو جو سب میں بہتر ہو نامزد کریں جس کو آسکر کے لئے بھیجا جاسکے۔ اس ضمن میں جب ہم ان گذشتہ فلموں پر نظر ڈالتے ہیں جو آسکر کیلئے نامزد ہوئیں تو ہمیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ان تمام فلموں کا تعلق کہیں نہ کہیں آرٹ اور کلچر سے رہا ہے۔ چاہے وہ 1957ء میں آسکر اعزاز کے لئے نامزد کی گئی محبوب خان کی فلم مدر انڈیا ہو یا 1988 میں میرا نائر کی فلم سلام بامبے یا 2001ء میں نامزد اشوتوش گواریکر کی لگان ہو ان تمام فلموں میں کہیں نہ کہیں آرٹ اور کلچر کو عوام کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اب تک تقریباً 34 فلمیں ہندوستان سے آسکر کے لئے بھیجی جاچکی ہیں جن میں صرف 3 ہی فلمیں اس کسوٹی پر کھری اتریں جن کو آسکر کے لئے نامزد کیا گیا۔ کچھ عرصہ پہلے آسکر اعزاز یافتہ فلم سلم ڈاگ ملینئر جس کو 8 اعزازات سے سرفراز کیا گیا۔ اس بات کا موضوع رہا کہ کیا اس فلم کو ہندوستانی فلم کی فہرست میں جگہ دی جانی چاہئے یا نہیں؟ جبکہ اس کے زیادہ تر کردار ہندوستان سے ہیں اور جس تھیم پر فلم بنائی گئی ہے اس کا بھی تعلق ہندوستان سے ہے۔

اس فلم میں بھی ایک مخصوص طبقہ کے کلچر کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فلم سلم ڈاگ ملینئر صحیح معنوں میں انگریزی کے تین حروف سے بنی وہ برٹش فلم ہے جسے 8 آسکر ایوارڈ ملے جس کی وجہ سے فلم میں کام کرنے والے خوشی سے تو جھوم ہی رہے ہیں ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے پوری فلم انڈسٹری کے ہاتھ کوئی خزانہ لگ گیا ہو۔ آخر ڈینی بوئیل نے اس فلم میں ہندوستانی چہروں، غریبی، گندگی، بے وقوفی اور جھگی جھونپڑیوں کے علاوہ ایسا کیا دکھا دیا جس پر ہم اس قدر خوشی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ اس فلم کی بہترین اداکاری، اسکرین پلے، سینماٹوگرافی اور بہترین ایڈیٹنگ پر تو کسی ہندوستانی کا نام نہیں۔ یوروپین بینکوں سے وارنر انڈیپنڈنٹ کو ملے ایک ارب 5 کروڑ روپے سے بنی فلم سلم ڈاگ ملینئر کہنے کو تو ایک ایسی فلم ہے جو غریبوں میں کروڑ پتی بننے کی امید جگاتی ہے۔ صحیح معنوں میں دیکھیں تو فلم کار اور فلم کی کہانی کچھ اور ہی کہتے دکھائی دیتے ہیں۔ بطور فلم سلم ڈاگ ملینئر ایک اچھی فلم ہے اس کی پلاٹ اور فوٹوگرافی کافی عمدہ ہے۔ فنکاروں نے بھی اچھا مظاہرہ کیا ہے اور کون بنے گا کروڑ پتی کے طرز پر جواریوں کی حمایت کو بڑھاوا دینے والے کھیل کے مصنوعی سین کے علاوہ فلم کے لگ بھگ سبھی مناظر حقیقت سے کافی قریب ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ فلم میں جس طرح کی غریبی، جھگیوں میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ، جرائم کے دلدل، لوگوں کی مستی اور بھکاریوں کے گینگ کی منظر کشی کی گئی ہے سب کچھ ویسا ہی ہمارے شہر وسماج میں ہوتا ہے لیکن کیا ان تمام چیزوں کا ہونا ہندوستانی ہونے کے لئے کافی ہیں اور کیا ان کی بنا پر کسی کی تعریف کے پل باندھے جاسکتے ہیں؟ کیا کبھی ہم نے غور کرنے کی کوشش کی کہ آخر اس فلم کو بنانے والوں کی نیت کیا تھی۔ ایسا تو نہیں کہ اس کے فلم کار ہماری غریبی اور گلیوں وجھگیوں میں زندگی بسر کرنے کے طریقہ کو فلما کر اپنا تفریحی سامان مہیا کررہے ہوں، کہیں ان کی نیت اسے فروخت کرکے اپنی جھولیاں بھرنا تو نہیں۔ یہ لمحہ فکر ہے ان ہندوستانی فلم سازوں کے لئے جو بالی ووڈ میں بیٹھ کر اپنے کامیاب فلم ساز ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ سلم ڈاگ ملینئر پوری فلم انگریزی زبان میں ہے جو ہندوستانی کہانی پر مبنی ہے۔ اس فلم کو وکاس سروپ کی ناول سے اخذ کیا گیا ہے۔ گلزار کے گیتوں پر اے آر رحمٰن کی موسیقی کا جادو ضرور عمدہ ہے مگر سبھی جانتے ہیں کہ رحمٰن کی بہترین موسیقی وہی نہیں جس پر انہیں ایوارڈ سے نوازا گیا۔ انگریز اگر تعصب پرستی کو چھوڑ کر ایمانداری سے کام لیتے تو بہت پہلے اے آر رحمٰن اس اعزاز سے نوازدیئے گئے ہوتے۔ اگر اس پر برٹش لیبل نہ لگا ہوتا تو کیا اسے آسکر ایوارڈ سے نوازا جاتا؟ اور شاید ہی گولڈن گلوبل کی حیثیت کو پہنچتی۔ بلا تذبذب اس بات کا اقرار کیا جاسکتا ہے کہ بالی ووڈ کی بہت سی فلمیں ایسی ہیں جو سلم ڈاگ ملینئر سے ذرہ برابر کم معیار کی نہیں۔ مثلاً بلیک۔ تارے زمین پر۔ واٹر وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ہمارے ملک میں تو فلم سلم ڈاگ ملینئر کے ہی گن گائے گئے اور سب کی زبان پر یہی رہا۔ جئے ہو۔۔۔۔۔۔ جئے ہو۔۔۔

صدر شعبہ احتشام احمد خان ترسیل عامہ وصحافت، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کی نگرانی میں سال 2008-10 کے طلبا نے ''اظہار'' کیلئے آئی ایم سی بلڈنگ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد سے شائع کیا۔ فون: 040-23008354/2300831

کیمرہ کی آنکھ سے

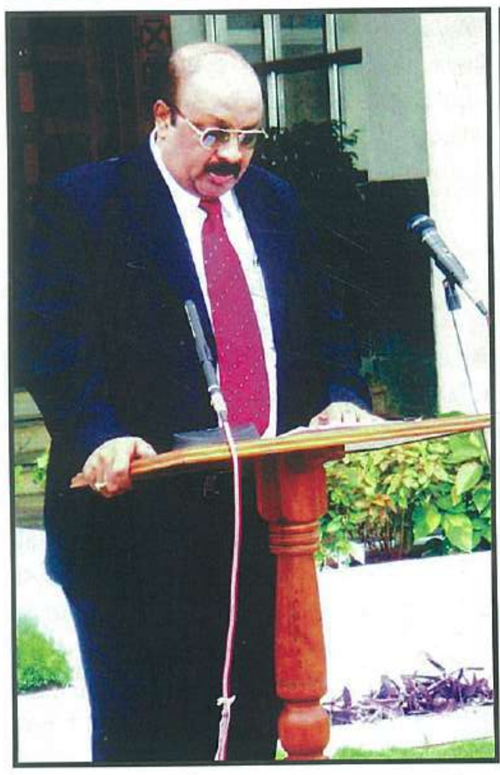

وائس چانسلر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی پروفیسر کے آر اقبال احمد، 63 ویں یوم آزادی کے موقع پر یونیورسٹی کیمپس میں پرچم کشائی انجام دیتے ہوئے۔ بعدازاں انہوں نے تقریب سے خطاب بھی کیا۔ تصویر میں تقریب کے شرکاء کی کثیر تعداد دیکھی جاسکتی ہے جس میں یونیورسٹی کے تدریسی وغیر تدریسی عملہ کے علاوہ طلبا و دیگر افراد شامل ہیں۔

وائس چانسلر اردو یونیورسٹی پروفیسر کے آر اقبال احمد، ہندی تحریری وتقریری مقابلوں میں انعام دوم حاصل کرنے والے شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کے طالب علم حفظ الرحمٰن کو ٹرافی اور سند عطا کرتے ہوئے۔

وائس چانسلر اردو یونیورسٹی پروفیسر کے آر اقبال احمد، اردو تحریری مقابلہ میں انعام اول حاصل کرنے والے شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کے طالب علم اعجاز احمد کو ٹرافی اور سند عطا کرتے ہوئے۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں یوم آزادی تقریب کے موقع پر یونیورسٹی طالبات، موسیقی کی دُھن پر قومی ترانہ پیش کررہی ہیں۔

وائس چانسلر اردو یونیورسٹی پروفیسر کے آر اقبال احمد، شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کے زیر اہتمام منعقدہ کانفرنس بموضوع ''خواتین اور ذرائع ابلاغ'' کے موقع پر ٹائمز آف انڈیا کے ریزیڈنٹ ایڈیٹر کنگ شک ناگ کا خیر مقدم کرتے ہوئے۔

طالبائے شعبہ ہندی کے تیار کردہ رنگولی کے نمونے

شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کے زیر اہتمام منعقدہ کانفرنس بموضوع ''خواتین اور ذرائع ابلاغ'' کے موقع پر وائس چانسلر اردو یونیورسٹی پروفیسر کے آر اقبال احمد، ٹائمز آف انڈیا کے ریزیڈنٹ ایڈیٹر کنگ شک ناگ، سینئر جرنلسٹ آر اکھیلیشوری، سماجی کارکن عرشیہ ایوب اور اسسٹنٹ پروفیسر محمد فریاد اور دوسرے۔

شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کے طلبا کا دورہ پریس انفارمیشن بیورو۔ ریجنل ڈائرکٹر حیدرآباد طلبا سے خطاب کرتے ہوئے۔ تصویر میں اسسٹنٹ پروفیسر محمد فریاد بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کے طلبا، دفتر آئی اینڈ پی آر میں اسپیشل کمشنر آندھرا پردیش کے پارتھا سارتھی کے ہمراہ۔ ڈائرکٹر پرمود راؤ اور اسسٹنٹ پروفیسر محمد فریاد بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

شعبہ ترسیل عامہ وصحافت میں دعوت افطار کے موقع پر لی گئی تصویر۔

ٹائمز آف انڈیا حیدرآباد کے ایڈیٹر آن اسپیشل افیرس میر ایوب علی خان، شعبہ ترسیل عامہ کے طلبا سے خطاب کرتے ہوئے۔

اظہار (لیب جرنل)

ایڈیٹر : محمد فریاد | مینجنگ ایڈیٹر : احتشام احمد خان

پیج لے آوٹ اینڈ ڈیزائن : محمد متبع علی خان

: اسٹوڈنٹ ایڈیٹرس :

اعجاز احمد۔ عبداللہ صابر۔ محمد صغیر الدین۔ امتیاز وانی۔ قاضی محمد عرفان۔ محمد فخر الدین۔ محمد شبیر حسین
سیدہ فردوس فاطمہ۔ حفظ الرحمٰن۔ ریاض الحق۔ افتخار عالم۔ عائشہ سلطانہ۔ محمد عبدالکلیم۔ ظفر اللہ۔ محمد موسیٰ
غلام احمد۔ محمد علاؤ الدین۔ شیخ محسن علی۔ مرزا غنی بیگ۔ محمد سرفراز عالم۔ محمد نقی حیدر۔ محمد انتشار احمد
محمد سیف الدین۔ محمد رحیم الدین قادری۔ محمد سعید۔ فضل اللہ۔ محمد جہانگیر عالم